ڈاکٹر علی شریعتی
حسینؑ
وارثِ آدمؑ
مترجم: سید محمد موسیٰ رضوی

ڈاکٹر علی شریعتی

حسینؑ

وارثِ آدم

مترجم: سیّد محمّد موسیٰ رضوی

☆☆☆☆☆

ادارہ "ن" والقلم

نام کتاب	:	حسین وارث آدم
مصنف	:	ڈاکٹر علی شریعتی
اردو ترجمہ	:	سید محمد موسیٰ رضوی
پروف ریڈنگ	:	سید آل حسن رضوی اور سیدہ زہرا رضوی
تعاون	:	طہماسب بیگ
سنہ اشاعت	:	۲۰۰۰ء
ناشر	:	ادارہ "ن و القلم"
قیمت	:	۵۰ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز پڑھنے والو!

اس کتاب پر علی شریعتی نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ ۷۲ صفحات پر محیط ہے' اور اس میں ان عقدوں' ان دکھوں' ان زخموں' ان مردہ آرزوؤں' ان یادوں سے محو امیدوں' ان کچلی خواہشوں' ان ناکام تمناؤں اور ان دبے غصوں کی بات ہے جو اس دور کے عوام کی زندگی میں تلے اوپر جمع ہو رہی تھیں اور "نہیں" نے ان سب کا راستہ روک رکھا تھا' علی شریعتی نے ان صفحات میں ان ہی باتوں کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ بس ایک عاشورہ ہے کہ جس میں ہر کوئی حسین بن علیؑ کے دکھ کے ساتھ اپنے دکھ کو بھی شامل کرتا ہے۔ اس ہولناک المیہ میں ہر کوئی اپنے المیہ پر بھی روتا ہے' یہ سب لوگ اپنے پامال شدہ حقوق کو ہر سال عاشورہ میں ضم کرتے ہیں' یہ وہ محروم و مظلوم و پسے کچلے لوگ ہیں جو جہاں فرار کرتے ہیں وہاں کربلا ہے' جو مہینہ ان پر آتا ہے وہ محرم ہے اور جو دن ان پر گزرتا ہے اسے عاشورہ کہئے۔

ان ہی میں علی شریعتی اپنے دکھ کو بھی شامل کرتے ہیں' اور واقعات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بغیر پس منظر کے ان کو سمجھنا قاری کے لئے دشوار ہے' اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ مناسب نہیں سمجھا اور مقدمہ کو مختصر کر کے اس حصے کو لیا ہے جو قاری کے لئے قابل فہم ہے اور جس کا تعلق براہ راست عاشورہ سے ہے۔

اس کتاب میں علی شریعتی نے دجلہ و فرات کو سمبل بنا کر جو بات بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر طبقاتی اعتبار سے فلسفہ تاریخ آج تک اس صورت میں رہی

ہے کہ شروع سے اب تک دو متضاد طبقاتی اور تاریخی دھارے ایک دوسرے کے ساتھ آتے رہے ہیں کہ جو بالآخر جناب امام حسینؑ اور یزید کے تضاد کی منزل تک پہنچتے ہیں اور پھر زمین و زمان میں ہر طرف اس کا اجراء عمل میں آتا ہے 'بعبارت دیگر یہ طبقاتی اور تاریخی تضاد یا تاریخی ڈیالیکٹک' ہابیل و قابیل سے لے کر آخری زمانے تک جاری و ساری ہے اور علی شریعتی نے اسے "منحنی تاریخی خلافتِ غصب" کا نام دیا ہے۔

مجھے امید ہے محترم قارئین اس کتاب سے فیض حاصل کریں گے جسے علی شریعتی کے فاضل والد محترم محمد تقی شریعتی نے بھی سراہا ہے۔ یہ ان چار کتابوں میں کی ایک کتاب ہے جس کی انہوں نے توصیف کی ہے اور کہا ہے: "حسینؑ وارث آدم" ایک بہت عمیق اور گہری کتاب ہے اور ان ہی میں ایک کتاب "ذکر و ذاکرین" بھی ہے جو اس سے پہلے منظر عام پر آچکی ہے۔

(ادارہ)

امام صادق :

"کل شہر محرم' وکل یوم عاشوار' وکل ارض کربلا"

عرب قبائل میں ہمیشہ جنگ رہا کرتی تھی' لیکن مکہ "سرزمین حرام" تھا اور رجب' ذی القعدہ' ذی الحجہ اور محرم کے چار مہینے "حرام مہینے" تھے۔ یعنی ان مہینوں میں جنگ حرام تھی۔ دو قبیلے جب آپس میں لڑتے تھے تو ان مہینوں کے آنے پر وہ جنگ روک لیتے تھے اور یہ وقتی توقف تھا' لیکن یہ بتانے کے لئے کہ "وہ حالت جنگ میں ہیں اور یہ امن و امان سمجھوتے کی بنیاد پر نہیں ہے' ماہ حرام آپہنچا ہے اور جب یہ گزر جائے گا تو جنگ پھر چھڑ جائیگی" ' دستور تھا کہ قبیلہ کے سپہ سالار کے خیمہ کی بلندی پر سرخ پرچم لہرایا جاتا تھا' تاکہ دوست' دشمن اور لوگ سبھی کو معلوم ہو کہ : "جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی ہے"۔

وہ لوگ جو کربلا کی زیارت کو جاتے ہیں' دیکھتے ہیں کہ جنگ' یزید کی کامیابی کے بعد اختتام کو پہنچی ہے اور جنگ کے میدان پر خاموشی اور موت کا سناٹا ہے۔

لیکن دیکھتے ہیں جناب امام حسینؑ کے گنبد مطہر پر سرخ پرچم لہرا رہا ہے۔

ذرا ان "حرام سالوں" کو گزرنے دو!

مقدمہ

عاشور کی شب، میں مشہد مقدس میں حیران تھا کہ کیا کروں اور یہ شب کیونکر گزاروں۔

میں نے سوچا کہ یہاں کی منعقدہ مجالس میں شرکت کر کے ذکر اور مصائب سننے میں اپنا وقت صرف کروں لیکن..... پھر میں نے صرفِ نظر کیا۔

مجھے مطالعہ کا حوصلہ بھی نہ تھا اور میں اپنے معمولی سے علمی اور درسی امور کو بھی انجام دینے کے قابل بھی نہ تھا۔

ایک عجیب غیر معمولی رات تھی اور غیر معمولی احساسات کے ایک ریلے نے مجھے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا۔

میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اب جب کہ میں مجلس اور مصائب سننے سے محروم ہو گیا ہوں تو کیا ہی اچھا ہو کہ میں خود اپنے لئے ایک مجلس تحریر کروں۔ یہی سبب تھا کہ میں نے ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر مجلس لکھی اور اب میں وہی آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

اس مجلس کے متن کو زیارت "وارث" سے وابستگی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ زیارت وارث امام حسینؑ سے خطاب ہے اور ائمہ علیہم السلام کی نسبت ہماری پھوکی توصیف و تمجید کے بر خلاف یہ ایک نہایت ہی عمیق اور سبق آموز ستائش ہے :

سلام ہو تم پر، اے وارث آدمؑ برگزیدہ خدا
سلام ہو تم پر، اے وارث نوحؑ نبی خدا
سلام ہو تم پر، اے وارث ابراہیمؑ خلیل خدا
سلام ہو تم پر، اے وارث موسیٰؑ کلیم خدا
سلام ہو تم پر، اے وارث عیسیٰؑ روح خدا
سلام ہو تم پر، اے وارث محمدؐ حبیب خدا

حسینؑ وہ مرد حق پرست ہے جو تاریخِ بشریت میں آدمؑ کی عظیم ترین میراث کا وارث ہے۔ یہ وہ میراث ہے جو آغاز تاریخ سے اس سلسلے کے ساتھ دست بدست ہوتی ہوئی حسینؑ تک پہنچی اور یہ آدم کی میراث ہے۔

اس تحریر میں میری تمام کوشش یہ ہے کہ میں تاریخ کے اس عظیم ترین میراث کی وضاحت کروں جو میراث آدم ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ تحریر اس لئے نہیں لکھی کہ اسے کہیں جاکر پڑھوں اور لوگوں کے سامنے پیش کروں بلکہ اسے میں نے خود اپنے لئے لکھی ہے اور اسی لئے اس میں بہ کثرت ابہام پایا جاتا ہے کیونکہ میں نے ان کے جملوں کی وضاحت کے لئے اپنی کوشش صرف نہیں کی ہے۔ میری کوشش یہ ہے کہ میں تمام گتھیوں اور تمام عقائد کو اس مختصر سی تحریر میں سمو سکوں۔

بہر حال یہ تحریر ایک ایسے احساس اور ایک ایسی اداس شب کی تخلیق ہے اور میں کوشش کروں گا کہ اس کے ابہام کو جہاں تک ہو سکے کم کروں۔
ہمارا موضوع سخن امام حسینؑ کی منزل پیکار، بین النہرین ہے۔ یعنی وہ

سرزمین جو دجلہ وفرات نامی دو نہروں کے درمیان واقع ہے اور جسے ان دنوں عراق کہتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جس میں ہم اپنی سات ہزار سال کی تاریخ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان عظیم حوادث کی تاریخ جس کا ہماری ثقافت اور ہمارے مذہب سے براہ راست تعلق ہے۔ عظیم ترین بعثتیں اور عظیم قتل وغارت گری دونوں ہی اس سرزمین کا مقدر ہیں۔

بین النہرین کے شمال میں موجودہ ترکی کا پہاڑی سلسلہ ہے جہاں پہلے مشرقی روم کا امپراطوری نظام رائج تھا۔ شمال کے رخ سے بین النہرین کی طرف دو دریا نکلتے ہیں جن کا سرچشمہ ایک ہے۔ ترکی میں واقع شمالی برفانی پہاڑوں سے برف کے تودے بہہ بہہ کر نشیب میں گرتے ہیں۔

مشرقی امپراطوری سرزمین میں کہ جو خود ایک عظیم تاریخ کی حامل ہے شمالی کوہستانی سلسلوں پر ایک چشمہ ہے جس کا پانی اور برف دونوں ایک ہی منبع کی پیداوار ہیں اور جب وہ نیچے کی طرف بہہ نکلتے ہیں تو آہستہ آہستہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں جن میں سے ایک دجلہ ہے اور دوسرا فرات۔ یہ دونوں دریا ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور بغداد کے قریب پہنچ کر پھر نزدیک ہونے لگتے ہیں اور ایک منزل پر مل کر شط العرب یا "اروند رُود" کی شکل اختیار کرتے ہیں اور پھر فوراً ہی خلیج فارس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

یہاں انسانی اور تاریخی حقائق و مسائل سے متعلق بڑے رموز پوشیدہ ہیں۔ ان دونوں دریاؤں کے شمال میں واقع بلند سرچشمہ پر "دقیانوس" اور اصحاب کہف کی داستان نے جنم لیا ہے۔ حضرت نوح کی کشتی کے لئے بھی محققین اور مورخین کی یہی تحقیق ہے کہ وہ اسی پہاڑ پر آ کر رکی۔

یہ دودریائے ایک دوسرے سے الگ بین النہرین میں داخل ہوتے ہیں اور اسی کیفیت کے ساتھ اس علاقے کو طے کرتے ہیں۔ شمالی حصے میں "آشور" کی سرزمین ہے جہاں خطرناک جنگی قبائل آباد ہیں اس کے بعد "اگاد" اور پھر بابل کی سرزمین آتی ہے جس کے معبد کی بڑی دھوم رہی ہے۔ بین النہرین کے جنوب میں قدیم انسانی تمدن کی سب سے پہلی یا سب سے بڑی آماجگاہ "سومر" ہے اور اس میں "اُور" اور "نیپ پور" کے شہر بھی آباد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی زادگاہ ہے۔ اس کے علاوہ یہ مقام اس معبد اور بت خانے کی یاد کو بھی تازہ کرتا رہتا ہے جس کے بتوں کو حضرت ابراہیمؑ نے توڑ کر تیشہ بڑے بت کی گردن پر چھوڑ دیا تھا۔ یہ عظیم تاریخی بت شکنی بھی اسی مقام کا مقدر ہے۔

بعثت ابراہیمؑ، داستان نوح، داستان "دقیانوس" اور اصحاب کہف، کشتی نوح اور طوفان جیسے واقعات کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے عظیم ترین مجرموں کا تعلق بھی اسی سرزمین سے ہے۔ اور پھر کربلا کی عظیم دردناک تاریخ بھی یہیں وقوع پذیر ہوئی۔

اس بناء پر بین النہرین کی سرزمین اپنے اندر سات ہزار سال کے تاریخی پس منظر کے ساتھ پوری زمین اور پوری تاریخ کا مظہر سمجھی جاتی ہے۔

یہ دو دریا انسان کے تاریخی سلسلہ سے عبارت ہیں۔ فلسفہ تاریخ اور اسلامی تاریخ کی رو سے، تاریخ اپنی گزرگاہ میں دو متضاد حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اسلامی قصص اور قرآن میں ہابیل اور قابیل کی جنگ، آغاز تاریخ ہے اور یہ وہ جنگ ہے جو آج تک جاری ہے۔

تاریخ کی گزرگاہ میں یہ دو تاریخی سلسلے ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ دو گروہ، یہ دو طاقتیں، یہ دو قوتیں انسان سے وابستہ ہیں اور ان دونوں کا سرچشمہ انسان اور آدم ہے۔ لیکن تاریخ اور مادی زندگی نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور حق و باطل نے انسان کو دو متخاصم گروہ بنا دیئے ہیں۔

طبقاتی فاصلے کے پھیلاؤ کے ساتھ ان دونوں کے درمیان جنگ شدت اختیار کرتی ہے۔ دجلہ و فرات کے دریا بھی کہ جو ان دو تاریخی واقعات کے سمبل ہیں۔ اتفاقاً ایسی ہی تقدیر سے دوچار ہیں۔ یہ دونوں دریا شمال میں اپنے آغاز سے مشترک سرچشمہ کے حامل ہیں اور بعد میں آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بغداد کے قریب پہنچ کر کہ جو تمدن اور خلافت کا سمبل ہے یہ دو سلسلے بظاہر ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں۔

ان دو دریاؤں کی طرح تاریخ کے یہ دو سلسلے بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

بغداد کی خلافت میں یہ دو تاریخی سلسلے ایک دوسرے سے مل کر شط العرب تشکیل دیتے ہیں جہاں حق و باطل کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔

اور پھر تاریخ کے یہ دو متضاد سلسلے کہ جن میں سے ایک دجلہ ہے اور دوسرا فرات، ایک حق ہے اور دوسرا باطل، آخرکار یکسانیت کے ساتھ سمندر تک پہنچتے ہیں۔

لیکن آغاز تاریخ میں جمود و توحش کے برخلاف اختتام تاریخ میں جو یکسانیت اور برابری ہے وہ عدل اور حرکت سے عبارت ہے، اور یہ دو دریا تاریخ بشریت کے آغاز و انجام کا ایک سمبل ہیں اور یہی سمبل میرے مقالہ کی بنیاد ہے۔

اور اب مقالہ :

وارث آدم

میری آنکھوں کو لہو کے ایک پردے نے ڈھانک دیا ہے

سرزمین تاریخ میں ہم ان دو ناتہ دار دریاؤں کو دیکھتے ہیں جن کا پانی اور جن کا منبع ایک ہے اور جو بڑی تیزی کے ساتھ ایک ہی منزل کی طرف لپک رہے ہیں۔ پھر ان میں علیحدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے راستے میں ایک دوسرے سے دور تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور بغداد کے قریب پہنچ کر ان میں نزدیکی پیدا ہونے لگتی ہے اور سرزمین تاریخ کی انتہاء میں آکر یہ دونوں شط العرب کی صورت میں پھر ایک ہو جاتے ہیں۔ (۱)

اور انجام کار پھر اپنی نرمی اور یکسانیِ رفتار کے عالم میں واپس پہنچتے ہیں۔ یہ دو دریا شمالی کوہستانوں کی بلندی اور یخ زدہ علاقوں کے پیچوں بیچ سے ان علاقوں کو باہم طے کرتے ہوئے نشیب کی سمت آتے ہیں جو کشتی نوح (۲) اور دقیانوس کے دور سے تعلق رکھنے والے اصحاب کہف (۳) کے واقعات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ یہ دو دریا تاریخ کے دوراہے پر ایک دوسرے کے ساتھ 'ان علاقوں سے کبھی دور اور کبھی نزدیک ہو کر گزرتے ہیں جو جباروں کی بستی کے ساتھ کبھی پیغمبروں کی بستی بھی تھی' جہاں آشور' کلدہ' آگاد' بابل' اور' نیپ پور (۴) اور روم کے محلات اور عشرت کدے' عبادت گاہیں اور تشدد کے مراکز اور رنج و گنج کے زیروبم دکھائی دیتے ہیں۔ اور پھر خسروشاہی مدائن' اور خلیفہ مقام' بغداد کی سرزمین کو بڑے خشم و خروش کے عالم میں کچل کر "نواویس و کربلا" (۵) کے

درمیان واقع بیابان کی خاموشی کو توڑتے ہوئے خلیج کے پرسکون بستر پر ایک دوسرے کے ساتھ اتر جاتے ہیں۔

میری آنکھوں کو لہو کے ایک پردے نے ڈھانک دیا ہے

سات ہزار سال، تاریخ کے ساتھ قدم بہ قدم ہمسفر ہونے والے ان دو دریاؤں کا شور خیالات کو مہمیز دے رہا ہے۔ ایک نیا شور اور نئی غوغا بپا ہے۔ پرانی تاریخ احساسات کے پردے پر نمایاں ہو رہی ہے:

آشور کے غیر مہذب وحشی سواروں نے اپنے غلاموں اور جنگی اسیروں کو کاندھوں تک زمین میں داب رکھا ہے اور اس ہولناک کھیتی پر اپنے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ یہ لوگ بین النہرین کے شمال سے آئے ہیں۔ انہوں نے بابل (٦) کے اس حیرت انگیز برج اور اس کے کنگوروں کی ازسرنو تعمیر و ترمیم کی ہے جو صدیوں کی طویل مدت میں ڈھل گئے ہیں۔ ان کنگوروں کے پیچھے ایوانوں، عبادت خانوں، اور خزانوں کے ہولناک محافظ گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ خدائے عظیم۔ بعل۔ (٧) جو صدیوں بین النہرین کے دینی اور دنیوی جباروں کو غلاموں، بیکسوں اور مظلوموں پر تقدس بخشتا رہا اور جس نے اپنے متولّیوں اور حامیوں کو بے بس افراد پر مسلط کیا اور خلق خدا کو آسمانی خداؤں کی طاعت کے زور سے زمینی خداؤں کی اطاعت پر راغب کیا، پھر سے اس معبد میں لوٹ آیا ہے جس کا شمار دنیا کے سات عجائبات میں ہوتا ہے اور پھر اس خزانے پر سات سروں والے زرد اژدھا کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھا ہے جسے اس نے دوست اور دشمن سے، نذرانوں، لوٹ مار اور غنیمت کے

ذریعے حاصل کیا ہے۔

بخت نصر (۸) کا محل پھر از سر نو تعمیر کی منزل میں دکھائی دے رہا ہے۔ جس میں ہزروں غلام اپنا خون پسینہ بہا رہے ہیں۔ بادشاہ وقت سے تعلق رکھنے والے صدیوں کی دیوار تلے مدفون بے رحم جلادوں اور زراندوزوں کے ذہن سے اترے ہوئے چہرے ایک بار پھر نمایاں ہو رہے ہیں۔ بخت نصر پھر اپنے تخت پر براجماں ہے اور آزاد شدہ قیدیوں کو پھر اسیری کی زنجیر پہنائی جا رہی ہے۔ ''اُور'' (۹) کا شہر تاریخ کے کھنڈرات سے ابھر آیا ہے اور اس کے بت خانے کی پھر سے تعمیر ہوئی ہے اور وہ بڑا بت پھر سامنے دکھائی دے رہا ہے جس کی گردن پر بت شکن ابراہیم نے اپنا تیشہ اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ اپنے بت شکنی کے جرم کو اس کے سر لگائے۔ نمرود نے حکم جاری کیا ہے کہ چھوٹے بتوں کی از سر نو تعمیر کی جائے اور آگ کے اس انبار کو -- کہ جو ابراہیم کے مقابل سرد ہو گئی تھی -- پھر نئی لکڑیوں سی دہکائی جائے اور تاریخ کے اس بت شکن کو کہ جس نے اپنے خاندان اور زمین کے خداوندوں اور آسمان کے خداؤں (۱۰) سے بغاوت کی تھی دین کی منجنیق سے آتش تقدس میں جھونک دیا جائے تاکہ اس کے ورثاء جان لیں کہ چھوٹے بتوں کو توڑنا نہیں چاہئے تھا۔

مدائن نے اپنے بے شمار دروازوں کو کھول رکھا ہے اور وہ رؤسا، شرفاء اور زرتشی علماء جو چالیس سال پہلے (۱۱) گویا بھوکے ننگے اور بے نام و نشان لوگوں کی تلوار سے بھاگ گئے تھے اب ایک ایک کر کے واپس لوٹ رہے ہیں۔ ان واپس لوٹنے والوں میں وہ خسرو بھی ہے جس نے عمامہ رسول کو اپنے سر کی زینت بنا رکھا ہے۔ شاہی باورچی خانے کے سامان سے لدے ہوئے چالیس ہزار اونٹ، بارہ ہزار

حسینایان حرم' ہزاروں کی تعداد میں گانے جانے اور رقص کرنے والیاں' غلام' خواجہ سرا' شاعر' مسخرے' ملا' اور خلوت و جلوت کا دیگر عملہ (۱۲) بھی اس کے ساتھ ہے۔ یہ سب وہ لوگ ہیں جو چالیس سال پہلے "برہنہ سپہد' برہنہ سپاہ" (۱۲) کی تلواروں کی دھار سے "کہ جن کی بھوک کو "شیر شتر اور سوسمار" (۱۴) بھی سیر نہیں کر سکتی تھی' بھاگ گئے تھے' یہ سب لوگ "باربد" اور "نکیسا" (۱۵) کے نغموں اور سازوں کے شور میں داخل شہر ہو رہے ہیں۔ قارن (۱۶) کے عظیم خاندانی افراد اپنے ہاتھ سے چھن جانے والی حکومت کو ان نااہل افراد سے واپس لینے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں جنہوں نے تخت شاہی کی آرزو کی اور شہریار بن بیٹھے (۱۷) آگے آگے سیمیں کمر غلام' خسرو پرویز کے مفت حاصل شدہ ۳۵ خزانوں کو ان گھوڑوں پر لئے آ رہے ہیں جو سر تاپا جواہرات کے جڑاؤ سے مزین سونے میں غرق ہیں۔ (۱۸)

یہ لوگ اپنے ساتھ اس "فرش بہارستان" کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں جس کی زمین چاندی' مٹی سونا' چمن زمرد' نہر موتی' پھول ہیرے' (۱۹) اور جو تمام کا تمام مفت حاصل شدہ جواہرات سے مزین ہے تاکہ دمشق میں مدائن کے "کاخ کج" (۲۰) کو اس سے زینت بخشی جائے۔

ان تمام مفت حاصل شدہ خزانوں' فرشوں اور زر و سیم کے ذخیروں کو جنہیں چالیس سال پہلے (۲۱) عرب و عجم کے بے سروپا مجرموں نے غدر بود میں ہتھیالیا تھا اور ہر شرف و بزرگی سے عاری شخص نے (۲۲) اسے اپنے لئے حصہ بخرہ کر لیا تھا "اللہ" کی تلوار کے ذریعے ان کے حلقوم سے باہر نکال لیا گیا ہے خواہ وہ روٹی کا

ٹکڑا من کر یا پستانِ مادر میں دودھ بن کر کسی بچے کے منہ میں کیوں نہ گیا ہو۔
بلخ کے آسیابان کو کہ جو انصاف کے لئے مدینہ آیا تھا(۲۳) اس کے ساتھیوں سمیت بغیر کسی قضاوت کے قتل کر دیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ اس موچی کے فرزند کو جس نے "نوشیروان" عادل اور "بزرگمہر" عاقل کے حکم ورائے سے امراء کے فرزندوں کے ساتھ تحصیل علم کی جرات کی تھی (۲۴) مکتب سے باہر گھسیٹ کر اس کے ہاتھ میں اپنے باپ کی ستالی (چمڑے میں سوراخ کرنے والا اوزار) واپس تھمادی ہے اور اسے اپنی قوم پر فضیلت دے کر اس کے باپ کو بد دیانتی کی تہمت میں قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی جمع پونجی کو مال غنیمت سمجھا گیا ہے اور اس کی ماں کو کنیز بنا کر دور و دراز کے بازاروں میں فروخت کر دیا گیا ہے۔
حیرت ہے! "عدل الٰہی" کے نام پر قوم مزدک کے بیس ہزار مقتولین کے سر دوبارہ نیزوں پر نمودار ہو گئے ہیں! (۲۵) امیر المومنین کے دارالخلافہ میں نوشیروانی عدالت کی زنجیر آویزاں ہے اور بچ جانے والے سادہ دل، ستم رسیدہ مظلوم افراد اور تنہا گدھا کہ جس نے اس کا یقین کر لیا تھا(۲۶)، اس کے گرد انصاف کی غرض سی جمع ہیں۔

زرتشی علماء نے غم و اندوہ اور ناکامی کی گرد اپنے چہروں سے جھاڑ دی ہے۔ ان کے چہروں سے "آھورائی" ہولناک نور ساطع ہے۔ وہ سب کے سب لمبی داڑھیوں اور ٹخنوں تک چھوتی ہوئی رداؤں کے ساتھ اپنے ظلمت کدوں سے باہر دوڑ پڑے ہیں۔ انہوں نے اپنے بڑے رہبر کی قیادت میں ایمان کی گرمی کے ساتھ اپنی عبادت گاہوں کا رخ کیا ہے تاکہ سرد شدہ آتش کدوں کو پھر سے گرمایا جائے اور فریب شرک کے ان شعلوں کو جو طوفان توحید میں دب کر ٹھنڈے ہو گئے تھے اپنی

جادو بھری پھونک سے "محرابوں" میں (۲۷) روشن کریں اور اس اھریمن کو پھر سے خداوند عالم کا رتبہ عطا کریں جو نصف سے زیادہ عالم و آدم کی خالقیّت میں شریک تھا اور "آھورامزدا" کی رقابت نے اسے تباہ و برباد کر کے ایک معمولی مخلوق بنادیا تھا۔ (۲۸)

اللہ۔ جو تمام موجودات کا "آھورا" (۲۹) اور انسان کا قرابت دار (۳۰) تھا' سب اس کے نزدیک یکساں تھے (۳۱) اور وہ ہمہ وقت لوگوں کے ہمکنار (۳۲)۔ عامتہ الناس اس کا گھرانہ اور اس کی عزت تھے (۳۳) اور وہ اپنے گھرانے کے لئے سب سے زیادہ مہربان اور اپنی عزت کے مقابل بہت متعصب تھا۔ (۳۴) اس کی نگاہ میں سب چھوٹے بڑے ایک (۳۵) مگر عقیدے میں دو تھے: پاک اور ناپاک۔ (۳٦) وہ زور و زر اور تزویر (۳۷) کا دشمن تھا لیکن سب سے بڑھ کر "فمثلہ کمثل لکلب"...... "کمثل الحمار"..... ! (۳۸) اس کے سامنے ناپسندیدہ اور قابل مذمت تھے...... !

اب اس کو زورِ جہاد' مالِ زکات اور زھدِ امام کے پردہ میں ذہنوں سے نکال دیا گیا ہے اور اس کی جگہ ایسے شرک کو لایا گیا ہے جسے دین کے سرکاری ٹھیکیداروں نے ابراھیمؑ' موسیٰؑ' عیسیٰؑ اور زرتشت کے توحیدی مذہب سے (۳۹) بگاڑ کر بنایا تھا۔

ثنویت (۴۰) کو "مشیت" الٰہی کی قبا اوڑھا دی گئی ہے تاکہ عرب و عجم' حاکم و محکوم اور غلام و آزاد کی نجس اور آریائی ثنویت کو تقدس بخشا جائے۔ انہوں نے تثلیث (۴۱) کو تقدیر الٰہی کی زنجیروں میں مضبوطی سے جکڑ دیا ہے (۴۲) تاکہ خدائے سماوات کے نور کو' زمین کے تثلیثی خداؤں کے چہروں پر بکھیریں۔

آذربائیجان میں آذر گشسب کے آتشکدہ کو پھر سے برپا کیا گیا ہے' تاکہ اس میں کیخسرو کی "ملک سے متعلق" اہورائی آنچ کو ہوا دی جائے'۔ "استخر" میں پارس کے "خرین" نامی آتشکدہ کو روشن کیا گیا ہے تاکہ اس میں "اشرافیت کی اپنی آھورائی آگ" کو پھر سے مشتعل کیا جائے اور "کوہ ریوند" میں "آتشکدہ مہر" کو اس لئے دھکایا گیا ہے تاکہ اس میں مالک سے متعلق برزین مہر کے آھورائی آگ کو (۴۳) پھر سے زندہ کیا جائے اور اب وہی اہر یمنی (شیطانی) تثلیثی آگ جو ابراہیمی خاندان کے اس چھوٹے سے فرزند کی پھونک سے بجھ گئی تھی (۴۴) ائمہء توحید کے مکروفریب سے اللہ کی محراب میں دوبارہ جل اٹھی ہے۔

لوگوں کی ان پچاس فیصد زمینوں کو (۴۵) جنہیں خسرو تاجداروں اور "انوشہ رواں" (انوشیروان) نے اس صلہ میں آتشکدوں کے لئے وقف کردیا تھا کہ زرتشتی علماء نے اشکانیوں کی نابودی (۴۶)--- "استخر" کے معبد کے پیشوا --- "ساسان خوتای" (۴۷) کے فرزندوں سے متعلق آھورائی سلطنت کی کامیابی اور ایک دن میں ان بیس ہزار مزدکیوں کے قتل عام میں اپنا کردار ادا کیا تھا کہ جو کافرانِ مذہبِ مالکیت اور کنز (۴۸) اور "رافضانِ" سنت (۴۹) فقر واشرافیت تھے' اب (ان زمینوں کو) اُن لوگوں کے قتل عام کے صلے میں جنہوں نے خلیفہ رسول کی بیعت سے سرتابی کی ہے اور اللہ کی نمائندہ حکومت کے خلاف خروج کیا ہے اور "مال اللہ"۔ "حکم اللہ"۔ اور "سبیل اللہ" کو لوگوں کا مال' لوگوں کی حکومت' اور لوگوں کا راستہ گردانا ہے' (۵۰) اُن افراد کے سپرد کیا ہے کہ جو مروّجان سنتِ رسولاں اور حامیان مذہب ابراہیم خلیل ہیں۔

دجلہ وفرات کی نئی ہنگامہ آرائی نیل کے کانوں تک پہنچ گئی ہے۔

--- عظیم عالم --- بلعم باعورا (۵۱) نے نیل سے سر اٹھا کر اپنے چہرے سے موت کی گرد دھولی ہے۔ اس انقلابی سرگشتہ گلہ بان کے ید بیضاء کا وہ روحانی نور جو اس میں بجھ گیا تھا، روشن ہو گیا ہے اور اب اس نے پھرتی سے جا کر اپنی طلسمی پھونک فرعون کے ڈھانچے میں اتار دی ہے اور اس ڈھانچے میں --- کہ جسے مذہبی صنعت گروں نے مومیائی کر دیا تھا (۵۲) تاکہ اسے ہر دور کی تحریک اور انقلاب کے لئے باقی رکھیں اور ہر دور میں اسے اٹھ کھڑا کریں --- اپنی روحانیت کے اعجاز سے ایک نئی روح پھونک دی ہے اور اسے دو ہزار سال بعد (۵۳) دین کی نجات دہندہ طاقت کے ذریعے احرام تلے سے نجات دی ہے اور اب وہ دونوں تاریخ کے تہہ خانے سے نکل آئے ہیں۔ بلعم نے اپنے غیبی علم، قدسی نور، اشراقی روشنی اور موسائی عصا سے خاک کے دھان بستہ کو ڈھونڈ نکالا ہے اور فرعون نے اس کی آیتِ الٰہی امامت اور اپنی خلافتِ الٰہی طاقت سے خاک کے اس دہان بستہ کو چیر کر اپنے ساتھی کو --- کہ جسے زمین نے نافرمان زرخریدوں کی ضرورت، انقلابی گلہ بان کی امامت اور ان کے خدا کے ارادے کے تحت نگل لیا تھا --- سینۂ خاک سے کھینچ نکالا ہے اور اب یہ تینوں پھر اپنی جگہ پر لوٹ آئے ہیں، نئے ناموں اور نئے پھندوں کے ساتھ !..... "ذوالنّورین" (۵۴) کے کاندھوں پر موسیٰ کا ید بیضاء، وارث بلعم، ابو موسیٰ (۵۵) کے ہاتھ میں موسیٰ کی باطل السحر چھڑی، سامری کے سنہرے بچھڑے (۵۶) کی گردن مسجد کے طلائی گلدستہ کا حلقوم۔ اور قارون کا خزانہ بیت المال اور مال اللہ۔ تو پھر --- اللہ --- وہی قارون ؟!

کیا دریائے نیل میں غرق ان "قبطیوں" (۵۷) کو نہیں دیکھ رہے ہو کہ جنہیں کیچڑ سے باہر نکالا گیا ہے اور وہ "سبطیوں" (۵۸) پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں اور انہیں جاہلی اسارت میں گھسیٹ لائے ہیں اور "اللہ" کے عقوبت خانوں میں ان کو اپنی بے دوام آزادی کے گناہ کی سزا چکھا رہے ہیں اور اس کوشش کا بدلہ لے رہے ہیں جو انہوں نے مظلوم اور بیکس لوگوں کی آزادی کے لئے کیا تھا۔

کیا یہ منظر سامنے نہیں آرہا ہے کہ موسیٰ--- وہ کہ جس نے شہزادگی پر گلہ بانی' دربار کی آرام و آسائش پر صحرا کی خاک نوردی اور بھوک کو' اور نیل کے کنارے فرعون کی پالتو بکریوں کے چرانے پر صحرائے سینا میں شعیب کی بکریوں کے چرانے کو ترجیح دی--- فقر کے اونی چوغہ میں اپنی گانٹھ دار چھڑی کے ساتھ اچانک کس طرح اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور کس طرح انہوں نے تن تنہا' نیل کے ایوان سبز پر "لوگوں کے خداوند" (۵۹) پر حملہ کیا اور "اپنے خداوندگار" (۶۰) کے خلاف سرکشی کی ہے۔ قارون کو زمین میں گاڑا ہے' فرعون کو زندہ دریا برد کیا ہے اور مردم فریب ساحروں' گائے ساز سامری' اور دین سے کھیلنے والے بلعم کو ان کے معبدوں میں کس طرح زندہ دفن کیا ہے۔ اور کس طرح ایک اسیر قوم کو آزدی کی طرف روانہ کیا ہے تاکہ وہ قوت وطاقت والے محلوں کے ویرانوں' لوٹ کے خزانوں' ضرار و ذلت کے معبدوں پر (۶۱) "خدائے بشر کے مدینے" کی تعمیر کریں اور "توحید خلق" اور "توحید خدا کی امت" (۶۲) کو 'کتاب' ترازو اور آہن" پر استوار کریں۔ (۶۳)

اور اب اس تنہا سبطی کو نہیں دیکھ رہے ہو کہ جس نے قبطیوں کے شہر سے بھاگ کر غربت و ناکامی و بے سرو سامانی کے صحرا میں پناہ لی ہے اور تپتی ریت

کے دریا پر جو سیاہ تہامہ (۶۴) (مکہ اور جنوبی حجاز کے شہروں) سے سرخ فرات تک پھیلا ہوا ہے ایک "سفینہ" کی طرح (۶۵) موت کی سمت آگے بڑھ رہا ہے بالکل تنہا اور ناامید- اس سیاہ عالمگیر آندھی سے گریزاں کہ جس نے سب سے زیادہ بطیحا (۶۶) کی سرزمین کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے وہ چلتا چلا جا رہا ہے تاکہ "نوح کی سرزمین" (۶۷) میں اپنے آپ کو موت کے حوالے کرے "خیل اللہ" (۶۸) (اللہ کا لشکر) فرعون کی امامت میں ساحروں کے ایک دستہ کے ساتھ اس کے تعاقب میں ہے اور آگے راستے پر "یوسف کے وہ بھیڑیئے" کہ جو جہاد و زکات میں دوست اور دشمن کا خون پی کر کٹ کھنے ہو گئے ہیں اس کا انتظار کر رہے ہیں- (۶۹)

وہ "آدم کی وراثت" کا بوجھ کاندھے پر لئے، موت کا خوبصورت مالا گلے میں ڈالے (۷۰) خاموش اور غمگین، راہ طے کر رہا تھا، سوائے اس سفینہ کی دھیمی اور یکساں نوعیت کی آواز کے کہ جو صحرا کی ریت کے امواج پر چلتا جا رہا تھا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی-

لیکن "زاہد" کے سامری طلائی بچھڑے کی بانگ--- کہ جس کے دہن سے خدا کے نمائندے خلق سے گفتگو کرتے ہیں، وحی کا پیغام سناتے ہیں، جہاد کا حکم دیتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں، عذاب جحیم سے ڈراتے اور پاداش نعیم کا مژدہ سناتے ہیں، کافروں، گمراہوں اور سرکشوں کو نصیحت کرتے ہیں اور غلاموں اور بھوکوں کو دنیا میں صبر و سکوت اور آخرت میں نجات و تلافی اور بہشتی کھانوں کی طرف بلاتے ہیں--- شرق و غرب عالم میں گونج رہی ہے- (۷۱)

وہ بچھڑا اب بیت المال کے کھور میں گائے ہو گیا ہے اور توحید کی آواز نکالنے لگا ہے۔

اُس مبعوث چوپان کے کچے مکان کو کہ جو "خانہ خلائق" (۷۲) کے ایک گوشے میں عاجز انسان کی طرح بسر اوقات کر رہا تھا (۷۳) خدا کے دین اور خود اس کی سنت کو بچانے کے بہانے ویران کر دیا گیا ہے اور اب اس خرابے پر پھر .....وہی "ہمیشہ والے ایک تن کے تین چہرے": فرعون' قارون اور بلعم' ایک تجارتی ادارہ کے تین مستقل شعبوں میں: قصر' دکان اور معبد' ابھر آئے ہیں اور ہر ایک اپنے ہمیشہ کے کام:

استبداد' استثمار اور استحمار! والی تثلیث میں مصروف ہے. ہاں' موسیٰؑ پھر اجڑ گیا ہے' اس کے "ارض موعود" میں' تاریخ جھاڑ پونچھ کر رہی ہے۔

یہوہ (۷۴) ایک مشرک جبار سلطان کے چہرے میں' خدائے توحید کے عرش پر بیٹھا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے عزیز کو اپنا ولی عہد بنایا ہے (۷۵) اور اپنے عزیزوں: بنی اسرائیل کے برگزیدہ خاندان کے عالم پر جبارانہ چیرہ دستیوں کی نوید دے رہا ہے اور انہیں خونخواری' قساوت اور لوٹ مار پر ابھار رہا ہے۔

اس نے سام کے بیٹوں کو برگزیدۂ آسمان' اور حام اور یافث کے بیٹوں کو دہشتناک کینہ کا شکار بنایا ہے اور انہیں تقدیر الٰہی کی زنجیر سے بردگی میں جکڑ دیا ہے' (۷۶) اور ہارون کے فرزندوں--- موسیٰ کے معابد کے علماء--- سے ایسے خون آشام اور فریبی ساحر جنم دیئے ہیں کہ جو فرعون کے ساحروں (۷۷) سے زیادہ شیطان تر اور جس کے حاخام' فریسی (۷۸) اور احباری' بلعم سے زیادہ دین فروش تر اور امت' قارون سے زیادہ پلید تر اور گنج پرست تر ہے۔

میں کیا کہہ رہا ہوں؟

یہ قارون ہے جس کے پیر زمین پر نہیں ٹک رہے ہیں اور جس نے موسیٰ کے "موعود" اور عیسیٰ (۷۹) کی "مسیحیت" کے نام سے "کنز" (دولت و ثروت) کے مذہب کو، ابراہیم کے "ارض موعود" (۸۰) میں "حرمت، تحفظ اور بزرگی" بخشی ہے۔ جہاں کہیں توحید کی آواز پہنچتی ہے شرک اس پر پردہ ڈال دیتا ہے اور بت "اللہ کے چہرے" میں مخلوق کی جان کو آجاتے ہیں۔

ویشنو، (۸۱) تاریخ کا تین چہرے والا خدا، بارگاہ الٰہی پر مسلط ہو گیا ہے۔ یہ وہ ہے کہ جو خلقت میں عجم کی ذات کو نجس جانتا ہے۔ اس نے اپنے سر سے شان و شوکت والے راجا مہاراجاؤں، دل سے دین کے ریاضت کش پیشواؤں اور آخر میں، اپنی فضلہ گاہ سے لوگوں کے بے سروپا کھیپ کو، بے نام و نشان لوگوں کو، ان کو کہ جن کے پاس نہ کوئی زر ہے اور نہ زور، نہ ان میں معنویت ہے اور نہ روحانیت اور جو پست گوھر ہیں، پیدا کیا اور پھر بھی خدائے یگانہ ہے: یعنی توحید، اور توحید سے بلند تر! وحدت وجود:

اور "زؤس" بھی اللہ کا جامہ پہنے، دنیا کے تختِ سلطنت پر لوٹ آیا ہے۔ یہ وہ ہے کہ جو یونانی نسل و نجابت (۸۲) اور ایتھنز کے ذی وقار خاندان اور مقدس اشرافیت کا پاسدار (۸۳) ہے جو غیروں کا دشمن اور طراود و پارس (۸۴) کے ان لوگوں اور مذہب کا کینہ پرور حریف ہے جو سب کے سب اہل بربر اور پست و اجنبی خداؤں کی تخلیق ہیں۔ یہ بھوکوں اور عاجزوں کے ابدی زندان کا وہ جلاد ہے کہ جو شروع ہی سے بھوک اور بردگی کو اپنے قلم صنع سے ان کی نامبارک تقدیر کی پیشانی پر لکھ کر انہیں ان کی ملعون مشیت کی زنجیر سے باندھ دیتا ہے۔ یہ انسان کا

انتہائی بد دل اور حاسد رقیب ہے(۸۵) اور زمین پر بیداری' آزادی اور روشنی سے ڈرتا ہے۔

کیا یہ منظر تمہارے سامنے نہیں آرہا ہے کہ پرومتہ کو اس انسان دوست شخص کو کہ جو آسمان سے زمین والوں کی بھلائی کے لئے "خدائی آگ" اٹھالایا تھا کس طرح بے کسی کے سرد و ساکت سنگستان میں زنجیر پہنا کر نوک دار پتھروں کے درمیان لبدی تنہائی کا قیدی بنا دیا گیا ہے۔ (۸۶)

یہ وہ آگ ہے جسے اس کے اس وارث نے صحرائے سینا میں طور کی چوٹی (۸۷) پر ایک درخت سے لے کر اسے ایک عاجز قوم کے حوالے کیا اور اس کے وارث نے اسے "جبل نور" (۸۸) پر حرا کے دھانے سے حاصل کر کے لوگوں میں اتارا اور اسے جہالت کے اندھیرے اور لوگوں کی حرارت سے خالی سرد و منجمد زندگی میں ڈال دیا۔

اور اب پھر "زوس" کے فرمان سے--- کہ جو اس وقت اللہ کی جگہ پر حکومت چلا رہا ہے--- ان سب کے تنہا وارث کو دوبارہ زنجیروں میں جکڑ کر کالے کوسوں اس قلبِ صحرا میں بھیج دیا گیا ہے جہاں ہر فریاد بے اثر ہے' اور اس پر جگر خوار گدھ چھوڑے جا رہے ہیں تاکہ اس خدائی آگ کی وراثت کے جرم میں جسے وہ نہیں چھوڑ رہا ہے اور اس کوشش میں ہے کہ--- اس سے جب کہ ظلم و جمود کی خلافت پھر سے بنی نوع انسان پر خیمہ زن ہے--- اسے دوبارہ طوفان میں روشن کرے' اس عذاب میں گرفتار کریں جو ہر اس شخص کی حتمی تقدیر ہے کہ جس نے انسان کی آزادی کے لئے "پیمان لہو" (۸۹) باندھا ہے۔

"دلفی" معبد کے صیاد(۹۰) خدا اور خلق کے درمیان واسطہ بننے والے زمین و

آسمان کے بیچ کے دلال--- یہ خوشنما سانپ کہ جو ہمیشہ ضحاک کے کاندھوں پر ابھر آتے ہیں(۹۱) اور جوانوں اور جاہل بوڑھوں کے بھیجوں کو اپنی خوراک بناتے ہیں- یہ راہب وپادری' یہ بہشت کی مرغوب زمین کے بیوپاری'(۹۲) یہ اون اتارنیوالے اور "اغنام اللہ" (۹۳) کا دودھ دوہنے والے- یہ ماہیت کو تبدیل کرنے والی گھناؤنی اکسیر کے ساحر جنہوں نے مسیح کی صلح و عشق و محبت سے "دجال صفت' ملحد صورت" خونریز' انسان کش اور غارت گر (۹۴) قیصر کو جنم دیا ہے--- سب کے سب اقصائے تاریخ سے مدینہ میں لوٹ آئے ہیں-

"مسیح دوبارہ سولی چڑھ گیا ہے" (۹۵)

بعل' محراب اللہ میں

اور بت' ابراہیم کے گھر میں آگئے ہیں-

شرک کا مومیائی شدہ جسم پھر سے توحید کے خالی جامہ میں سما گیا ہے اور اب پھر شنویت نے ہاتھ پاؤں پھیلائے ہیں: آسمان کی ذاتی اور الٰہی دوگانگی: یعنی زمین کی دوگانگی' شنویت جہاں ' یعنی کہ اس کا سایہ: شنویت سماج' ہستی کی دوھری خدائی' یعنی کہ انسان کی دوگانگی: قوم اور غیر لوگ' آریائی اور نجس' ایرانی اور انیرانی' اہل ایتھنز اور ترِوائی' یونان اور بربری' عرب اور عجم' سیاہ اور سفید' یعنی کہ": ایک قوم" نہیں' دو طبقے' یعنی ایک ہی خون کے لوگ جن میں ایک کا خون چوسا جاتا ہے اور ایک خون چوسنے والے ہیں' یعنی: سچے "میں" اور "تم" نہیں' بلکہ جھوٹے "ہم":

طبقات کی دوگانگی کے پیکر پر یگانگی نسل کی ردا' یعنی میں غلام اور تم آقا "سب ایک دوسرے کے اعضاء ہیں"!

اور پھر ثنویت وجود' توجیہ ثنویت حیات بن گئی ہے : خواجہ اور عبد' مالک و مملوک' حاکم و محکوم' روحانی و جسمانی' ابدی دوگانگی' الٰہی اور جہانی' تقدس کے مراتب میں آگئے ہیں۔

اور اب خدائے واحد' مگر...... دو نظروں سے دیکھنے والا'

حواریان پیغمبر' مفتیان فقہ' مفسران کتاب' حامیان سنت اور ان راویان حدیث کا خدا کہ جن کی ہر حدیث' نرخ خلافت کے مطابق ایک دینار ہے۔ یہ سب زمین پر اللہ کے جانشین بنے بیٹھے ہیں۔

ابو درداء حکیمِ امت' ابو ہریرہ جلیسِ نبوت' چالیس ہزار حدیثوں کا راوی' ہمہ ادوار' ہمہ ادیان' اور ہمہ تاریخ کے وارثان روحانیت!

اور اب پھر وہی ہمہ وقت اور ہمیشہ والی تثلیث: تین خدائی والا مذہب: اب۔ ابن۔ اور روح القدس' (۹۶) ملاء' (اشراف) مترف (سرکش لوگ) اور راہب' (۹۷) خسرو' مکھیا (۹۸) اور موبد (زرتشتی پیشوا)۔ اور زر' زور اور تزویر کی جوائنٹ اسٹاک کمپنی۔ سیاست' اقتصاد اور مذہب :

وہ نظام کہ جو آغاز تاریخ سے انسان پر مسلط رہا ہے'

یہ مذموم مثلث کہ جس میں تمام سچے رسول دفن ہیں'

"فریب" ' "غارت" اور "بندگی" کا طلسم' مرکبِ تاریخ کے پاؤں کی رسی' آزادی' مساوات اور آگاہی کی قتل گاہ'

فرزندان آدم کے شعور' عشق' ایمان اور بھائی چارگی کا قبرستان'

'تیغ' طلاء اور تسبیح کا مثلث'

پہلا، خلق کو مصروف رکھتا ہے، دوسرا اس کی جیب خالی کرتا ہے، اور تیسرا بڑی مہربانی اور نرمی کے ساتھ خیر خواہانہ، حکیمانہ اور ہمدردانہ لہجہ میں دین کی زبان سے اس کے کان میں موعظہ کرتا ہے کہ :

صبر سے کام لو بھائی! اپنے باطن کو غذا سے خالی رکھو تاکہ تم اس میں نور معرفت دیکھ سکو، دنیا کو اس کے اہل کے لئے چھوڑ دو، اپنے آخرت کے گھر کو آباد کرو! تقدیر کے آگے تدبیر کیا ہے۔ ہر کسی کو اس کا حصہ بانٹ دیا گیا ہے۔ اس کے دیئے اور نہ دیئے پر شاکر رہو "الخیر فی ما وقع" (جو پیش آئے وہی خیر ہے) دنیا، دارِ محنت و ذلت و فقر مومن ہے، اپنی بھوک کو اپنے گناہوں کی بخشائش کا سامان بناؤ۔

وہ مثلث کہ جس کا قاعدہ "ملا نما" ہے اور جس کی دونوں پنڈلیاں "خواجہ" اور "خان" مخلوق خدا کی گردن اور پشت پر دھری ہیں۔ یہ تینوں مخلوق میں خالق کے اقرباء، خدا کے امین گلہ بان، اس کی بکریوں کو چَرانے والے، ایک، اس کا پرتو، یا اس کا بیٹا اور گاہے خود ہے! کام اس کا رعیت کی گلہ بانی(۹۹) ان سرکش گھوڑوں کی سیاست (۱۰۰) کہ جو اپنی پشت پر زین اور منہ میں لگام ڈالنے نہیں دیتے۔ سواری تو درکنار پیٹھ تھپکنے بھی نہیں دیتے، جو حق کی حاکمیت کے نمائندے اور اس کے جبروت و ملکوت کے مظہر ہیں اور جن کے چہروں سے غضب و انتقام، حق کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔

اور وہ دوسرا، حامل قدوسیتِ حق، صاحبِ روح القدس، زمین کے بندوں کے درمیان خدائے آسمان کی رحمت وروحانیت کی آیتِ عظماء، خزانۂ رزق کا کلید بردار اور "انام کالانعام" (۱۰۱) کی روزی کا امانت دار، یعنی کہ "خود" بذاتہ کسی چیز کا مالک

نہیں 'ہر چیز خدا کی ہے! مذہب خدا کا ہے' قوت خدا کی ہے' ثروت خدا کی ہے اور یہ 'اس کی جانب اور اس کے نام سے صرف عامل در عمل اور مخلوق کے درمیان حضرت حق کے ارادے کے اجراء کا ذریعہ ہے۔ (۱۰۲) کونسا حق۔

صاحبان حق کا حق' وہی ہمیشہ اور ہمہ جا رہنے والا خدا' خدائے تاریخ' خدائے دور' آسمان کے اس پرے رہنے والا' زمین کے خداوندوں کا خدا' مذہب شرک اور معبد توحید سمیت تاریخ پر چھانے والے مذہب کا خدا! اقربا پرور خدا' بیگانہ لوگوں کا دشمن' بربریوں' عجمیوں' اسیروں' سیہ رویوں' نجس لوگوں' غلاموں' بھوکوں' ہزیمت اٹھانے والوں' مستضعفوں اور "حام" و "یافث" کے فرزند زادوں ......کا دشمن کہ جو سب کے سب اہر یمن کی اولاد یا اس کے گدی نشین ہیں! جنہوں نے ظلمت کے "زوروان" (۱۰۳) کو پیدا کیا اور لا محالہ دائمی طوقِ لعنت کے گرفتار' ازلی بدگوھر' قدر کی زنجیرِ شقاوت کے اسیر اور فلاکتِ قضا کے دھتکارے ہوئے ہیں اور عالمِ ذر (۱۰۴) اور صبح الست (۱۰۵) سے اعلیٰ نسبی کی نسبت محرومی ان کا مقدر ہے۔

سلطان بارگاہ آسمان' اپنے گرداگرد چھوٹے بڑے خداؤں کا لشکر لئے بے نور آنکھوں' سماعت سے محروم کانوں' کینہ و حسد سے مالامال دل' وحشتناک بھوک' ہولناک غصے اور کوتاہ دامنی کے ساتھ' دور بہت دور' انسان کی بینائی سے ترساں' اور زمین کی روشنی سے گریزاں' اپنے کارگزاروں' شفیعوں اور دلالوں پر مبنی تاریخ کے خداوندان ثلاثہ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا ہے۔

اور اس کے زیرِ سایہ' زمین پر' اس کے چھوٹے خدا' اس کے دلال' اس کے وسیلے' عزیز و اقرباء' خواص' مقربین' جلاد' ساحر' غارت گر' شفعاء' اور تمام

نمائندے اور جانشین، سب کے سب غدار بھیڑیوں، مکار لومڑیوں، مردہ خور جوؤں، سکہ پرست چوہوں اور خون چوسنے والے جونکوں کی طرح، مخلوق کی پشت و پہلو سے چمٹ گئے ہیں اور تمام راستوں پر دین کے جال بچھا دیئے ہیں۔ تمام گردنوں میں عبودیت کا پٹہ ڈال دیا ہے، تمام دھانوں پر طاعت کی مہار ڈال دی ہے۔ تمام پشتوں پر شرع کے تازیانے برسائے ہیں، تمام دیہاتوں پر جہاد کا ہلہ بولا ہے، تمام گھروں کو غارت زکات کیا ہے، ہر کان میں ورد خواب پڑھا ہے، ہر کسی پر زہد کا طلسم دم کیا ہے، ہر دین پر اکسیرِ مسخ بروئے کار لایا گیا ہے۔ تمام پیغمبروں کے سر پر دشمنی کی تلوار لٹکائی ہے، ہمہ جا اور ہمہ وقت عوام کی تقدیر کی پیشانی پر ذلت کا داغ لگایا ہے، ہر زمانے میں خرافات کو ہوا دی ہے، تمام زمینوں پر نفاق کا بیج بویا ہے، تمام فریادوں کا گلہ گھونٹا ہے، توحید کے ہر مینار سے اذان شرک دی ہے، ردائے تقدس میں فریب کاری کی ہے، صدق کی زبان کو جھٹلایا ہے، خالق کی اطاعت کے نام سے مخلوق کی اطاعت پر لوگوں کی گردن جھکائی ہے، آھورائی میں اہریمنی (شیطانی) کی ہے۔ "آذر قدس" کے فروغ کے عنوان سے کفر کی ظلمت پھیلائی ہے "احترام شعائر" کے نام سے "تحریف حقائق" کی ہے، لوگوں کی محنت مشقت سے لوٹ کا خزانہ بھرا ہے۔ عوام کی غربت سے امارت حاصل کی ہے، جماعت کی بھوک سے برکت پائی ہے گناہ کے خوف سے امنِ عصمت حاصل کیا ہے، لوگوں کی خاموشی اور چپ سادھ رہنے سے کرّوفر پایا ہے، غلاموں کی مقرر شدہ غلامی سے، آقائی کی الٰہی بخشش حاصل کی ہے، اور مظلوموں کی ذلت سے سیادت کی خلعت پہنی ہے۔

لات کو "اللہ" کی صورت میں "ثقیف" کے درمیان ایک بلند چبوترے پر بٹھایا گیا ہے اور اس کے پرانے خادم اور پجاری "عروۃ بن مسعود" کو طائف کی بلندی پر ایک بار پھر تیروں کی بوچھاڑ کی زد پر لایا گیا ہے۔ (۱۰۶)

مناۃ کو پھر سے "غفار" واپس لایا گیا ہے اور غفار کے کھوجی (۱۰۷) جندب بن جنادہ (۱۰۸) کو اس آگ کے انگارے کے جرم میں کہ جسے وہ آتش حرا سے اپنے جاہل قبیلے کی ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے اپنے ساتھ تحفے میں لایا تھا' کعب احبار یہودی کے فتوے' (۱۰۹) حکومت اللہ کے خلعت پوش فرمان (۱۱۰) اور عوام کے پیامبر کی جلاوطنی (۱۱۱) کے نفاذ سے' تنہائی' بے کسی' اور صحرا کی سیاہ موت میں جلاوطن کیا گیا ہے۔

جاہلیت شرک کے تین سو سے زیادہ بت (۱۱۲) ابراہیمؑ کے کعبے میں واپس آگئے ہیں اور ہر کوئی پچھلوں کی جگہ پر کامیابی سے کھڑا ہے اور اپنے دو بت شکنوں کے مغموم و متروک گھر اور خاموش و لہو بھرے مزار--- وارثان ابراہیم (۱۱۳) --- پر فاتحانہ ہنسی ہنس رہا ہے' اور اپنے بکھرے ہوئے یاروں کو' سراسرِ صحرا سے' جانے کیا کہہ رہا ہوں۔ سراسر زمین اور سراسر زماں سے گھر کے طواف کے لئے بلا رہے ہیں۔

کلید دار' پردہ دار اور حاجیوں کو پانی پلانے والوں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے (۱۱۴) اور معبدوں کے متولی اور بت خانوں کے خدام سب جمع ہو گئے ہیں۔

برہمن' چھوٹے بڑے زرتشتی پیشوا' فریسی' خاخام (یہودی دینی پیشوا) پادری' بطریق' (روم کے قدیم قائدین) پوپ' راہب' (عیسائی علماء) ساحر' مفتی' احبار' (یہودی دانشور) سب نے اپنے وارثوں: کعب الاحبار' ابو موسیٰ' ابو ہریرہ'

ابو درداء، اور شریح کے گرد حلقہ ڈال دیا ہے اور اپنے ایک ہاتھ میں مصحف (۱۱۵) اور دوسرے میں منحرفین تاریخ، رافضیوں کا سر لے رکھا ہے۔ (۱۱۶)

صاحبان علم و فضل کا ایک بے شمار مجمع، سارے حق و باطل، شرک و توحید اور کفر و دین کے مذاہب... کیا فرق پڑتا ہے؟ اس مشترک خطرے کے مقابل، کہ جس میں ایک شخص نے --- مذہب تسلیم (۱۱۷) --- والے "اسلام" کے خلاف قیام کیا ہے، اکٹھے ہو گئے ہیں، اس ہستی کے خلاف کہ جو ایک شورش بپا کرنے والے گلہ بان کی ذرّیت سے تھا، اس ذرّیت سے کہ جو اگلے وقتوں تسلیم و رضا کی خاموش تاریخ میں ایک حیرتناک آگ کے پیچھے صحرا میں سرگرداں تھے اور جنھوں نے زمین کے ہدوں اور زمانے کے شیریں کام خداؤں کو پریشان کر رکھا تھا..... (۱۱۸)

اور اب عمار، سمیہ، یاسر، بلال اور خباب..... (۱۱۹) کو اذیت پہنچانے والے ماہرین تشدد ابو جہل، ابو سفیان، امیہ بن خلف، (۱۲۰) "دین سے برگشتہ" سرکش غلام، (۱۲۱) "رافضیان سنت اسلام" "پیغمبر امی (۱۲۲) کے نامدار صحابی "عبدالرحمٰن بن عوف" کی تدبیر و تلاش سے نجات پا گئے ہیں اور اس آزاد شدہ مکہ کی سمت تیز تیز قدموں سے جا رہے ہیں کہ جس نے اپنے دیرینہ امن و امان کو پھر سے حاصل کر لیا ہے، اس سر زمین کی طرف کہ جو سب کے لئے "بلد حرام" (۱۲۳) رہا ہے۔ اس گھر کی طرف جس کی بنیاد ابراہیم نے رکھی ہے اور جس میں ہمیشہ سے "تاریخ کے تین بڑے بت" ساکن رہے ہیں۔

موسیٰؑ کا فرعون، ابراہیمؑ کا نمرود، عیسیٰؑ کا قیصر، مزدک کا نوشیروان، یحییٰؑ کا ہیرودیس.... اور محمد ﷺ کے اشراف، سب تاریخ کے تاریک اور خاموش

سرد ابوں سے باہر نکل آئے ہیں اور تیسفون سے دمشق تک اپنے ہولناک محلوں میں ---کہ جو غارت جہاد اور سرقت زکات سے دوبارہ تعمیر ہوئے ہیں--- اپنے شہیدوں کے کاسۂ سر میں قحمدری کی شراب پی رہے ہیں' ان کے کاسہ سر میں کہ جو مالکیت کے پہلے قتیل اور ہابیل کی سنت کے وارث (۱۲۴) ہیں۔ اور دنیا کے ہر خطے سے اپنے عظیم وارث کو دمشق کی سرزمین پر اس کے "سبز محل" میں (۱۲۵) کہ جو ابوذرؓ کی ہڈیوں پر تعمیر ہوا ہے' نوید فتح دے رہے ہیں۔

"جب زور' روای تقویٰ پہنتا ہے تو عظیم ترین سانحہ رو بعمل آتا ہے" (۱۲۶)
کیا تاریخ ہمیشہ سے اس بات کی شاہد نہیں رہی ہے کہ اس ردا کو "معبدوں" سے "ایوانوں" میں لے جایا گیا ہے؟

اور اب صفین میں علیؑ کے خلاف جنگ میں قرآن' معاویہ کے پرچموں میں حمائل کیا گیا ہے! (۱۲۷)

تقدس کی تلوار نے' سفیدۂ صبح کی نماز میں' محراب عبادت سے اسے اٹھا لیا ہے۔ (۱۲۸)

اور اس سے صنعت گرانِ دین' بخارا سے دمشق تک تقویٰ کا نیا لباس بنانے میں مصروف ہیں: قضات' ائمۂ جماعت' مفتی' فقیہ' مفسر' محدث' حکماء' عرفاء' قراء' زہاد' جامعانِ معقول و منقول' حاملانِ علم الٰہی' خلق میں اللہ کی حُجتیں' آیات اللہ در ثقلین' اصحاب منبر و محراب و خانقاہ' اور..... کیا عرض کروں؟ اصحاب کبار! کتابِ وحی! جامعانِ قرآن' اور رسولِ توحید کے سریوں اور غزووں کے مجاہدین' سب اپنے سکوت اور اپنی گفتگو سے تقدس کا خوبصورت لباس سی رہے ہیں۔ ایک ایسی خلعت کہ جس کی تیاری میں ان کے اسلاف

---ادیانِ سلف کے باضابطہ ماہرین--- نے بھی کبھی اتنی ہنرمندی نہیں دکھائی تھی، خلافتِ خدائے ابراہیمؑ کی خلعت، نمرود کی قامت پر! (۱۲۹)

وہاں، خونی پوپ (۱۳۰) نے، یمن (۱۳۱) کی قتل وغارت گری کی تحریک کے بانی، بیس ہزار مزدکیوں کے قاتل کے گھر میں عدل الٰہی کی زنجیر لٹکائی ہے۔

لیکن یہاں "آزادی، عدالت، اور مذہب بیداری" کے وارث--- تاریخ کی محکوم تحریک--- کا عمامہ "بردگی، ظلم اور مذہب خواب" کے وارث--- تاریخ پر مسلط نظام--- کے سر پر۔ فرعون و قارون و بلعم تینوں موسیٰؑ کی چوپانی کے خرقہ میں، میں کیا کہہ رہا ہوں؟ موسیٰؑ کے گھر کو موسیٰؑ کی سنت کی خاطر ویران کرنے والے، موسیٰؑ کے خاندان کو موسیٰؑ کے معجز نما عصا سے قتل عام کرنے والے!

سمجھ میں نہیں آتا! تاریخ، بڑی طرح پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہے۔ توحید، شرک، عدل، ظلم، دین، ملا، عوام، خدا، بت، پیغمبر، کذاب، مذہب، جادو..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

دجلہ و فرات، اب مل کر ایک ہوگئے ہیں۔ عجیب انداز کی "شط العربی"!

کعبہ، بت خانہ--- مساجد، زر، زور اور تزویر والے خداوندان تثلیث کے آتش کدے۔ غلام لوگ، جنت کی خوشخبری پانے والے دس افراد (۱۳۲) میں کے ایک فرد زبیر (۱۳۳) کے تصرف میں۔ نائلہ، (۱۳۴) وارث..... و..... و.... اس گلے کے ہار کے ساتھ خلیفہ خدا--- عثمان ذوالنورین--- کے حرم میں جس کی مالیت افریقہ کے سرکاری محصول کے ایک ثلث کے برابر ہے۔ (۱۳۵) یہودیوں کا سب سے بڑا عالم کعب--- تمام بڑے مذہبی عالموں، برہموں، پادریوں، اور مذاہب

شرک کے جادوگروں کا وارث--- مذہب توحید کے مسند فتویٰ پر عثمان کے ساتھ' اور عثمان--- وارث محمد ﷺ --- قیصر و کسریٰ (۱۳۶) کے تخت پر- اور جناب رسالت مآب ﷺ کا ملک بدر کیا ہوا شخص مروان' ندیم عثمان' اور ستم رسیدہ لوگوں کی جائے پناہ اور محمد ﷺ کے انیس' جناب ابوذر' عثمان کی جلاوطنی کے غیض کا شکار اور...... میں کیا کہہ رہا ہوں؟ ظل اللٰہی (۱۳۷) معاشرے میں قریش کی نسلی برتری پر (۱۳۸) ہبل و بت و زوس' خدائے ابراہیم کی صورت میں لوگوں کے محبت' ان بے چارے لوگوں کے خدا (۱۳۹) کے روپ میں کہ جس نے زمین پر مظلوموں کی پیشوائی کا وعدہ کیا ہے اور محروموں کو زمین کی وراثت کا مژدہ دیا ہے' (۱۴۰) بیچارہ بنانے والے خدا...... میں کیا کہہ رہا ہوں.....-

اب ہر تکبیر کی آواز کے ساتھ سچے خدا کے چاہنے والے کا سر' زمین پر آجاتا ہے- ہر جہاد کے ساتھ' اس کی کتاب خون کی موجوں میں آگے بڑھتی ہے (۱۴۱) اور اس کا معبد اس ضرب کے انتقام میں کہ جو ثقلین کی عبادت پر بھاری تھی' (۱۴۲) ہر صبح و شام اس صاحب بازو کو سبت کرتا ہے (۱۴۳) اور.......

ملتوں کا قتل عام' جہاد- عوام کی غارت' زکات- جباران زمین' برگزیدگان آسمان- اور خلق کے دشمن' خالق کے خاص دوست ہو گئے- اور.....

محمد ﷺ کا گھر ویران

اور فاطمہؑ شب کی تاریکی میں مدفون

اور علیؑ نخلستانوں میں آدھی راتوں کو تنہا' کنویں کے منڈیر میں سر دیئے فریاد بہ لب' میں کیا کہہ رہا ہوں؟

محراب عبادت میں شہید

اورابوذرؓ کی صحرائے ربذہ میں بھوک اور تنہائی کی موت (۱۴۴)

اور عذرا کا چمن زار' دین کے فتوی سے حجر (بن عدی) کے خون سے رنگین (۱۴۵)

اور حسنؑ اپنے گھر میں ان "سپاہیوں کے ہاتھوں مسموم جنہیں خدا نے شہد سے بنایا ہے"۔(۱۴۶)

اور بلال کوسوں دور کی سرزمین پر تنہا اور خاموش۔ (۱۴۷)

اور عبداللہ بن مسعود کی' تشدد سے موت۔ (۱۴۸)

اور مومنوں کے خداوند کا سبز محل' شراب کی مستی اور نغمہ و سرور میں مست اور پھر فرمان جہاد' تحصیل زکات' تکثیر قرآن اور تولید حدیث کی گفتگو؟ یہی نہیں' سرزمین کفر پر مجاہدوں کے ہاتھوں معابد شرک کی ویرانی اور مساجد کی تعمیر' مشرق و مغرب میں قاریوں کی لہک اور زرین میناروں کے حلقوم سے سطحِ آسمان پر بانگ اذاں۔

اور تکبیر گویوں کی تلواریں الحاد کے سر و سینے پر' اور اماموں' قاضیوں' عالموں' زاہدوں' نمازیوں' عارفوں اور شہیدوں کے خونبہاؤں کے پروردہ اصحاب' تابعین' تبع تابعین (۱۴۹) اور سابقون (۱۵۰) ولاحقون کے سر غنائم کے کھور میں۔ (۱۵۱)

اور امیر المومنین "سر گیں اور چارے کے درمیان سے باہر آکر" (۱۵۲) ولایت کو اللہ کی بخشش سے حاصل کرتا ہے۔

جماعت کی نمازیں دیکھنے کے قابل' حاجیوں کی جمعیت اللہ اللہ' کھانوں کا تنور گرم' مسند قضا نرم۔ اسلام' پشت زمین پر رواں اور خلائق' فوج در فوج سیوف اللہ (اللہ کی تلواروں) کے مقابل جھکی گردن کے ساتھ رام' علمی حوزے گرم'

پیشرو دین استوار' شعائر مجلل' احکامات زیر عمل اور..... خلیفہ رسول' ایک سال جہاد اور ایک سال حج میں۔ (۱۵۳)

حج! بت شکن ابراہیمؑ کی سنت۔ "خلائق کے گھر" میں یا "خدا کے گھر" میں۔ (۱۵۴) --- کیا فرق پڑتا ہے؟--- اس سال کیا بات ہے؟ حاجیوں کا یہ جم غفیر' انسانوں کا یہ گرداب' کھوے سے کھوا ملا ہوا' پشت در پشت' پرجوش و جذبے کے ساتھ' طواف میں' سب کے چہرے کھلے ہوئے' سب کے دل عشق سے پگھلے ہوئے اللہ کی دعوت پر لبیک کی صدا بلند کر رہے ہیں۔ ایمان کا جوش' اسلام کا خروش' خدا کا خوف' آخرت کے عذاب کی وحشت' دوزخ کے عقاب کا ڈر اور شوق عبادت' امت کے برگزیدہ لوگوں کو مقدس گردش میں گھما رہا ہے۔ ان چہروں کے درمیان: پیغمبر کے اصحاب' اسلام میں سبقت لے جانے والے "سابقون" سورمایان جہاد' فاتحین سرزمین کفر' زمین کے بت خانوں کو ویران کرنے والے' حامیان توحید' حافظان قرآن' سخت مذہبی لوگ اور دین حنیف کے پیشوا...... (۱۵۵) سبھی ہیں۔

سب کے سب طواف میں مصروف ہیں اور ابراہیم خلیلؑ سے تجدید عہد کر رہے ہیں۔ یہ سب لوگ اس دنیائے دنی' اس دنیائے خاکی' اور اس پست زمین پر گزرنے والے ہر واقعہ سے فارغ' خدا سے دل لگائے' محو طواف ہیں۔ جنت ان کی آنکھوں میں رقص کر رہی ہے' حوران جنت ان کے پاکیزہ اور پارسا چہروں کو اپنی سمت متوجہ کر رہے ہیں۔ فرشتے عرش کے کنگوروں سے انہیں آوازیں دے رہے ہیں اور جبرئیل نے محبت سے اپنے پروں کو ان کے محو گردش پیروں کے تلے بچھا رکھا ہے!

یہ کون ہے کہ جو اس طرح خشم آلود اور مصمم ارادے کے ساتھ مسلمانوں کے دَل بادل گرداب کو چیرتا ہوا طواف سے باہر آرہا ہے اور اس "حرمت والے' امنیت والے' اور بزرگی والے" شہر سے منہ موڑ کر جارہا ہے؟

ایسے وقت میں جب کہ سارے مسلمانوں کا منہ کعبہ کی سمت ہے اس نے کہاں کا عزم کرلیا ہے اور کہاں جارہا ہے؟

کیوں لمحے بھر کے لئے رک کر نہیں دیکھا کہ:

خلق خدا کو نمرود کے ڈھنگ پر' ابراہیمؑ کے گھر کا طواف کرایا جارہا ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان انہیں بے ہودہ دوڑدوڑائی جارہی ہے۔ (۱۵۶) اور عرفات سے کہ جو آغاز تاریخ اور زمین پر آدم وحوا کی ملاقات کا پہلا مرکز ہے(۱۵۷) عوام کالانعام کو شب کی ظلمت میں ان کے "مشعر الحرام" میں لایا جارہا ہے(۱۵۸) اور شعور کی سرزمین پر--- کہ جس پر ورود ان بندگان شب و جہل پر حرام ہے ---ان کو سلایا جارہا ہے اور پھر سحر کے پاؤں کی آہٹ کے ساتھ انہیں حرکت دے کر تثلیث کے ان تین مذموم بتوں کی سرزمین' (۱۵۹) منٰی کی سمت ہنکایا جارہا ہے (۱۶۰) تاکہ وہ ابراہیم سے مذاق اور اللہ سے فریب (۱۶۱) کے عالم میں اپنے آدم سے آخر الزماں تک (۱۶۲) کے دائمی تین خداؤں کو کھیل کھیل میں رمی کریں اور سات خوبصورت' ظریف اور رنگارنگ سنگریزوں (۱۶۳) کو شفقت آمیز ہاتھوں سے اپنے زمین و زماں کے تین خداؤں کے چٹے چہرے (۱۶۴) پر ناز و ادا اور عاشقانہ انداز سے پھینکیں' اور گوسفندوں کو ان کی ذلت بار سرنوشت کے اشارے پر ذبح کریں کہ وہ "اغنام اللہ" ہیں اور ان تین خداؤں کے دائمی نمائندوں نے ان کے اون' دودھ اور گوشت پوست سے دُم اور پیر پھیلا کر اپنا پیٹ آباد کیا ہوا ہے

کہ یہ سب ہمہ جا زبان بستہ' دائمی طور پر ان کی قربانی کے جانور ہیں اور وہ انہیں اپنے نفس کی راہ میں ذبح کررہے ہیں اور ان کا سرخ لہو "سبز محل" مسجد ضرار' اور قارون کے بیت المال میں جاری ہو رہا ہے۔ اور آخر میں ان "جمرات ثلاثہ" (۱۶۵) کی بندگی میں اپنے سر کو خم کرنے کے حوالے سے سر منڈوائیں اور پھر اس عنوان کو سامنے رکھ کر کہ "فعل جور کا آلہ' جہل ہے" اور "یہ مصلحت پرست لوگ ہیں کہ جن کے ہاتھ حقیقت اور سچائی کے خون سے آغشتہ ہیں" اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو ہر دور اور ہر نسل میں خود' پس پشت رہ کر "انسان کی شہادت" کی راہ ہموار کرتے ہیں' اور ان تقویٰ اور تقدس کی نقابوں کے پیچھے جلّاد نے اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے' اور یہی وہ حج کرنے والے کہ جنہوں نے ہر جگہ اور ہمیشہ ان تینوں بتوں کے وسوسوں سے اسماعیل کو اپنے ہاتھ سے نمرود کی قدموں پر ذبح کیا ہے' انسان کی قربانی کے دن اور "اسماعیل کی ذبح" کے زمانے کو جشن کی صورت دیں' اور پھر کعبہ کی طرف پشت کر کے' ذلت و زندگی کا رخ کریں اور "آخرت کی جنت" کو دنیا کے جہنم کی قیمت پر خرید کر "اپنے آقا کے باورچی خانے کی گرم راکھ پر" دنیا و مافیھا سے بے خبر سو رہیں اور لوٹ کے دستر خوان کے بچے کھانے کو مزے لے لے کر کھائیں۔ (۱۶۶)

میری آنکھوں کو لہو کے ایک پردے نے ڈھانک دیا ہے

میرے سامنے ایک تپتا ہوا صحرا ہے۔
جس کے آسمان پر شرم کی رنگت پھیلی ہوئی ہے۔
اور ایک جلتا ہوا سیاہ سورج اس پر آگ برسا رہا ہے۔

ہوا آتش ریز ہے۔
دور تک افق در افق ریت کا ایک سمندر پھیلا ہوا ہے۔
تازہ لہو کی ایک کف آلود نہر پیچ و تاب کے عالم میں ہے۔
اور نکھرے پانی والے فرات کے گام پہ گام چل رہی ہے۔
ہر سمت تلی ہوئی تلواریں اور ہر طرف' دوش ہوا پر تیر'
خیمے جل رہے ہیں اور پست دفرومایہ لوگوں کی لوٹ مچی ہے۔
بغض و حسد نے سر اٹھایا ہے۔
ہر طرف دشمن گھات میں ہیں۔
اور دوست' دشمن کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔
تپتی ہوا' سخت بیکسی' اور زمین بنجر اور کھاری'
اور ریت انتہائی گرم
پیاس جان لیوا۔ سیاہ دجلہ' غضبناک اور حملہ آور۔ اور سرخ فرات--- موت وعداوت کی سرحد--- دور تک پھیلی ہوئی دشمن کے تصرف میں۔
اور........

مجھے ہول آتا ہے کہ میں "اس کے" پر عزم اور حوصلہ مند چہرہ کو دیکھوں وہ کہ جو اس ڈھیر ساری جہالت و خباثت کا قتیل ہے۔
اس کے پیروں پر میری نظر جاتی ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ کتنے صبر و استقامت سے کھڑا ہے۔ اس ایک تن نے سینکڑوں ضرب اپنی چھاتی پر سہے ہیں۔
شدّتِ اضطراب سے ترساں اور لرزاں میری نگاہ اس کے پاپوش اور ردا کے دامن تک جاتی ہے :

اب اس کے دونوں ہاتھ ڈھلے ہوئے ہیں'

ایک ہاتھ اس تلوار پر جو انسان کی شکست کی علامت میں ڈھل جاتی ہے' لیکن اس کے خشمگیں پنجے ایک لاحاصل چاہت کے ساتھ اس کوشش میں ہیں کہ اب بھی اسے تھامے رہیں۔

لہو بھری انگلیوں کے نشان اس تلوار کے قبضے پر کہ جواب.....

ڈھل چکی ہے!

اور اس کا دوسرا ہاتھ' اسی طرح' بلا تکلیف' بالکل آزاد

میری نگاہیں اور اوپر سرکتی ہیں:

زرہ کے جھروکوں سے لہو بہہ رہا ہے اور ایک کثیف بخار بھی اس کے ساتھ ہے جسے صحرا کا سورج جذب کر رہا ہے تاکہ ہر روز صبح و شام اسے انسانوں کے سامنے لائے اور دنیا کو اس کی خبر کرے۔ (۱۶۷)

میری نگاہ اور اوپر اٹھتی ہے:

میرے سامنے وہ گردن آتی ہے کہ جو پہاڑ کی بلندی پر ابھرنے والی حرا کی اس چوٹی کی طرح کہ جس پر تاریخ کے بے رحمانہ ضربات وارد ہوئے ہیں بڑی ہولناک صورت میں شدت سے مضروب وزخمی ہے' مگر جھکی نہیں ہے۔

میری نگاہ اس زخمی گردن سے بھی اوپر جاتی ہے جس سے خون رس رہا ہے۔

اچانک دھماکے سے پیدا ہونے والے اس خاکستری مواد کے عظیم مرغولوں کی طرح جو فضا میں رہ جاتے ہیں' دھویں اور کثیف بخارات کی ایک پہاڑ جیسی چھتری میری نگاہوں کی راہ روک لیتی ہے اور.....

مجھے کچھ دکھائی نہیں دیتا!

کوئی پنجہ میرے دل کو وحشیانہ انداز میں مسوس رہا ہے۔

کسی نے غیظ سے میرے جگر پر دانت گاڑ دیئے ہیں۔

میرے وجود سے ایک گرم دھواں میرے سر کی طرف بلند ہو رہا ہے۔

میری آنکھیں جل رہی ہیں'

شرم اور اذیت مجھے کھا رہی ہے کہ: "میں ہوں" اور "سب کچھ جھیل رہا ہوں"۔

آنسو مجھے مہلت نہیں دے رہے ہیں اور میں نہیں دیکھ سک رہا ہوں۔

میری آنکھوں کو آنسوؤں کے ایک پردے نے ڈھانک لیا ہے۔

میرے سامنے ہر شئے خون و خاکستر سے لپٹی' لرز رہی ہے۔

لیکن میں اسی طرح شرم و عشق سے ملتہب توقع کے ساتھ نظریں جمائے بیٹھا ہوں۔

ابر و دھوئیں سے بھرے اس قلب میں مجھے ایک چہرہ ابھرتا دکھائی دے رہا ہے۔

ایک دھندلا خاموش چہرہ' اور وہ اساطیری رب النوع پرومتہ کا چہرہ ہے کہ جس نے اب حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔

ہیجان و اشتیاق نے میری آنکھیں خشک کر دی ہیں۔ سیاہ غبار میں لپٹا ہوا وہ ابہام جو میری موج اشک میں لرز رہا تھا اب چھٹتا جا رہا ہے اور اب اس کی صورت واضح ہوتی جا رہی ہے اور اس کے چہرے کے خدوخال روشن تر ہوتے جا رہے ہیں اور ابھی کچھ دیر میں' میں اس کے خدائی چہرے کو دیکھ لوں گا!

ان سارے دکھوں کا مشاہدہ کتنا دشوار ہے۔ یہ ساری مصیبتیں اور ایک ہستی! وہ ہستی کہ جس نے انسان کے سارے دکھوں کو اپنی مظلومانہ زندگی کی

سرگزشت میں بیان کی ہے- وہ چہرہ کہ جو......

میں کیا کہوں اور کس طرح عرض کروں ؟

اسلام کے ایک مفتیِ اعظم نے اس پر "اللہ کے دین کے سرکش خارجی اور محمد ﷺ کی سنت سے روگرداں رافضی" کاالزام لگا کراس کی موت کا فتویٰ جاری کیا ہے-

اس کے اطراف خوں میں نہائے ہوئے اجساد کے سوا کوئی اس کا مددگار نہیں ہے-

وہ تاریخ کے رہگزر پر غم والم اور غربت و تنہائی کی تصویر بنا کھڑا ہے'

نہ واپس لوٹتا ہے-

کہ: جائے تو کہاں ؟

نہ آگے جاتا ہے-

کہ: جائے تو کس طرح ؟

نہ جنگ لڑتا ہے-

کہ: لڑے تو کس سے ؟

نہ بولتا ہے-

کہ: بولے تو کس سے ؟

نہ بیٹھتا ہے-

کہ: ...... یہ اس کی سرشت میں نہیں

بس کھڑا ہے اور اس کا سارا جہاد یہ ہے کہ :

نہ گرے

یونہی' دوست اور دشمن کے ضربوں کے نیچے' آدم سے خود اس تک کی طویل

تاریخ میں ہمیشہ والے تین خداؤں کے ہتھوڑوں کے نیچے (لوہار کے) سندان کی طرح جما رہے۔

میری نگاہ ایک دفعہ پھر اس کے حیرت انگیز چہرے پر جمتی ہے۔ وہ اپنے اس حقیر بندے کو دیکھ رہا ہوتا ہے' خاموش اور آشنا' ان نگاہوں میں سوا غم اور کچھ نہیں ہے' بالکل ساکت اور خاموش'

اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے'

بڑا بھاری ہے'

میری ساری ہستی اور میرا سارا وجود' میرے اندر کرچی کرچی ہو رہا ہے۔

اب مجھے بھاگنا ہوگا'

لیکن ڈرتا ہوں تنہا رہوں' تنہا اپنے ساتھ' اپنی ذات کا تحمل بھی بڑا شرمناک اور تکلیف دہ ہے'

میں سڑک پر نکل بھاگتا ہوں تاکہ خلقت کی سیاہی میں گم ہو جاؤں۔

اور شہر کے شور و غوغا میں اپنی ملامت و پھٹکار کی آواز نہ سنوں۔

لوگوں کا ایک عظیم سیلاب امنڈ آیا ہے۔ پورا شہر غم و اندوہ کے عالم میں گریہ کناں ہے۔ ہر طرف مرد' عورتیں' بچے' دردناک آواز میں دھاڑیں مار مار کر رو رہے ہیں' علم تعزیے' عماری' ذوالجناح' غم کا کونسا سامان ہے جو نہیں ہے۔ لوگ تیغوں' تلواروں اور زنجیروں سے اپنے سر' پشت اور پہلو پر ضربیں لگا رہے ہیں' اور ان ہی میں وہ لوگ بھی ہیں کہ جن کے تن پر لمبی عبائیں اور......

سر پر عمامہ رسول ہے اور......

آہ !...... پھر وہی تاریخ کے تکراری چہرے ! غمگین' سیہ پوش' ہر جگہ

خلائق کے پیش پیش!

میں تنہا' اور خراب وخستہ ہر سو دوڑ رہا ہوں' کسی کا آستین پکڑتا ہوں' کسی کا دامن تھامتا ہوں' ہر کسی سے پوچھتا ہوں--- درد و اشک میں ڈوبا ہوا---
عاجزی سے جویا ہوتا ہوں :

یہ مرد کون ہے ؟

اس کا دکھ کیا ہے ؟

یہ انسان کی تاریخ کا تنہا وارث' جگ سنسار کے سرخ پرچم کا وارث بھلا تنہا کیوں ؟

اس کا قصور کیا ہے ؟

اس پر کیا بیتی ہے ؟

مجھے بتاؤ :

اس کا نام کیا ہے ؟

سب چپ ہیں' کوئی مجھے جواب نہیں دیتا

میری آنکھوں کو آنسوؤں کے ایک پردے نے ڈھانپ لیا ہے

عاشورہ ۱۳۴۹ھ

☆☆☆

حواشی

حسین وارث آدم کے حواشی

۱- آغاز بشریت میں نیز ناتہ داری اور برابری رہی ہے لیکن ایسی برابری اور ایسی آشتی کہ جوان دو دریاؤں (دجلہ و فرات) کے برفانی سرچشموں پر محیط ہے: مردہ برابری! لیکن وہ برابری جو انتہائے تاریخ میں' جہاں بشر اور انسانی طبقات پر عدالت کی کامیابی کے بعد چھاتی ہے ایک سیال' متحرک اور زندہ برابری ہے-

۲- کہا جاتا ہے کہ نوح کی کشتی بین النہرین کے شمالی کوہستانی سلسلے میں آرارات کے پہاڑوں کی چوٹی (جودی) پر اتری- یہ کوہستان' دو دریاؤں کا سرچشمہ ہے- ہماری تاریخ میں نیز نوح نئی بشری نسل کے آغاز کا سرچشمہ ہیں-

۳- سات ہوشمند انسانوں نے اپنی آزادی اور اپنے شرف کو محفوظ رکھنے کے لئے دقیانوس کی حکومت سے فرار اختیار کی تاکہ ان کا ہاتھ جرم اور ان کا ایمان کفر سے ملوث نہ ہو' ان لوگوں نے --- جن کا بڑی شدت سے پیچھا ہو رہا تھا--- ایک غار میں پناہ لی اور خدا نے ان کو اس پناہ گاہ میں بادشاہ کے جاسوسوں کی نگاہ سے محفوظ رکھا- حالیہ تحقیقات نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ یہ غار (کہف) ترکی میں ہے-

۴- نیپ پور' بین النہرین کے جنوب میں واقع سومر کے قدیم کھنڈرات کا ایک شہر ہے جو ابھی حال ہی میں دریافت ہوا ہے-

۵- وکانّی باوصالی تتقطعها غسلان الفوات بین النواویس و کربلا فیملائن منی اکراشا جوفا واجریته سغبالامحیص عن یوم خط بالقلم! امامؑ اس راہ میں اپنی حتمی سرنوشت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں جس کا انہوں نے آغاز کیا ہے اور جس کا آگاہانہ انتخاب شہادت ہے: "گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ نوامیس اور کربلا کے صحراؤں کے درمیان' بھیڑیئے میری جوڑ جوڑ الگ کررہے ہیں اور اپنے خالی شکموں اور چمڑے کے خالی تھیلوں کو میرے ٹکڑوں سے بھر رہے ہیں- ہاں' اس دن سے' جو تقدیر کے قلم سے گذرا ہو' کوئی بھاگ نہیں سکتا-

۶- بابل' بغداد کے جنوب مشرقی حصہ میں ۱۶۰ کلومیٹر کی دوری پر "حلہ" کے قریب' فرات کے کنارے' ۲۱۰۵ قبل مسیح میں وجود پذیر ہوا- سلسلہ سلاطین میں سب سے پہلے عظیم حمورابی نے ۱۹ ویں صدی قبل مسیح میں اسے اکاد اور متحدہ سومر کا پائیتخت بنایا اور یہ علاقہ مشرقی تمدن کا مرکز بنا- اسکندر نے اسے مشرق کا پائیتخت قرار دیا-

۷- بعل' سامی خداؤں میں کا ایک مشہور اور سب سے بڑا خدا ہے- یہ فنیقی لوگوں کا خدائے خورشید اور کبھی خدائے مشتری رہا ہے- بعل کے معابد میں ایک معبد لبنان میں بعلبک کے نام سے ہے جسے یونانی ھلیوپولیس (شہر خورشید) کے نام سے یاد کرتے ہیں- سامی پیغمبروں نے ان بتوں کے ساتھ بڑی لمبی جنگیں لڑی ہیں-

۸- بخت نصر یا بوکد نذر' بابل کا ایک ظالم بادشاہ ہے کہ جس نے پوری یہودی

قوم کو اپنا اسیر بنایا اور انہیں بابل میں ایک محکوم گروہ کی صورت میں سارے انسانی حقوق سے محروم رکھا اور ان پر ہر طرح کا عذاب نازل کیا۔ اس قوم کی اسارت کے ماہ و سال کو تورات نے لکھا ہے۔ دانیال پیغمبر اسی دور میں ان ہی اسیروں کے درمیان رہے ہیں اور انہوں نے ہی اپنی قوم کو آزادی اور امید کی نوید دی اور ان کا وہ خواب جو تاریخ میں مشہور ہے "کہ انہوں نے دیکھا کہ دو سر والے ایک مینڈھے نے مشرق سے سر نکالا ہے......" مستقبل میں آنے والے نجات کی پیش بینی ہے۔

اور وہی قرآن میں ذوالقرنین ہے جسے اسکندر سے منسوب کیا گیا ہے جو سرے سے بے بنیاد ہے' اس لئے کہ اسکندر کی زندگی میں نہ ہی ذوالقرنین (دو سینگوں والا) کا کوئی نشان ہے اور نہ ہی ایسی کوئی دلیل ملتی ہے کہ جس سے اس لقب کو اس سے نسبت دی جائے یا اس کی توصیف کے لئے توجیہہ کی جائے اور نہ ہی تاریخ میں یہودی قوم کی سرنوشت اور اس کی اسارت کے سلسلے میں اس کا کوئی فوجی یا سیاسی کردار ہے۔

اس لئے کہ مینڈھا' ہخامنشی قوم کے سمبلیک جانوروں میں سے ایک ہے اور فرہ ایزدی کی تصویر کہ جو قدیم ایرانی سلطنت کی الٰہی بخششوں کا مظہر ہے اسی شکل میں بنائی گئی ہے اور پھر' جس طرح کورش کے پیکر میں دکھایا گیا ہے' وہ دو کھلے بازوؤں کا حامل ہے کہ جو افقی صورت میں دو سمت سے باہر نکلے ہوئے ہیں' اور نیز اس رو سے کہ وہ اسی دور میں ہے اور بابل کا فاتح بھی ہے اور اسی نے یہودی قوم کو آزاد کر کے فلسطین میں واپس لوٹایا اور ان کی ساری ویران عبادت گاہوں کی پھر سے تعمیر کی اور انکو ان کے مذہبی رسوم کی ادائیگی میں بہت زیادہ آزادی دی اور

تورات نے بھی ان کو یہودی قوم کے نجات دہندہ کا نام دیا ہے اور دانیال کے خواب کی تعبیر بھی اس کا ظہور ہے کہ جو--- مشرقی بابل--- پارس سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور ساری مادی قوتوں اور عظیم آریائی حکومتوں کی بساط الٹ دیتا ہے اور نیز بابل کی سلطنت کو کہ جو اس دور میں مشرق کی سب سے بڑی سیاسی اور مدنی طاقت تھی کالعدم کر کے اسے عظیم ہخامنشی سلطنت میں ضم کرتا ہے.......

ان دلائل کی بنیاد پر اور نیز ان دیگر قرائن سے جو قرآن میں آئے ہیں اور جو کورش کی سیاسی شخصیت سے قابل انطباق ہیں بعض معاصر مورخین نے خاص طور پر ابوالکلام آزاد نے کہ جس کا شمار ہندوستان کے نامی محققوں اور حریت طلب لوگوں میں ہوتا ہے اور جو ہندوستان کے وزیر تعلیم بھی رہے ہیں کورش ہی کو ذوالقرنین گردانا ہے- البتہ یہ مسئلہ ایک تاریخی نظریہ کی حد تک قابل توجہ ہے-

۹- "اُور" کا شہر بین النہرین کے جنوب میں حضرت ابراہیم کی زادگاہ ہے-

۱۰- بت شکنی کے انقلاب کے بانی حضرت ابراہیم کے باپ یا ماں کے شوہر' یا چچا' بت تراش آزر ہیں- وہ خود بچپن میں اس کارگاہ میں خدمت گار یا نوآموز رہے ہیں اور ان کی کارگاہ کے بنے ہوئے بت بیچتے رہے ہیں' اور یہ تاریخ کا ڈیالکٹیکی (جدلیاتی) مظہر اور قرآن کی تعبیر میں' ایک "آیت" ہے ! اور ابراہیمؑ ہیں کہ جو آسمان کے خداؤں پر--- کہ جو زمین کے خداؤں کا سایہ ہیں --- توحید کی انقلابی تحریک سے یلغار کرتے ہیں اور نسلی اور طبقاتی اختلافات کے ڈھانچہ کو کہ جو مذہب شرک ہے تہس نہس کرتے ہیں-

۱۱- امام حسینؑ کا قیام سنہ ۶۱ ہجری سے دس دن پہلے' سنہ ۶۰ ہجری کے اواخر میں رونما ہوا اور یہ وہ سال تھا کہ جس میں مسلمانوں کے ہاتھوں مدائن کی فتح کو ۴۰ سال کا عرصہ گزر رہا تھا اور اب یہی مدائن اپنے فاتحین کو تہہ تیغ کر رہا تھا۔

۱۲- تاریخ طبری اور مروج الذہب مسعودی سے ماخوذ اعداد و شمار۔

۱۳- ایرانی سپہ سالار کی زبان سے اسلامی سپہ کے بارے میں فردوسی کا شعر۔

۱۴- مسلمان سپاہیوں کے بارے میں رستم فرخزاد کی بات (شاہنامہ فردوسی)

زشیر شتر خوردن و سوسمار　　عرب رابجائی رسیده است کار

که تاج کیان را کند آرزو　　تفو بر تو ای چرخ گردون تفو!

۱۵- "بارید" خسرو دربار کا نامور موسیقار اور "نکیسا" مغنی۔

۱۶- قارن' قدیم ایران کا نامی پہلوان۔

۱۷- مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں' ساسانیوں کی شکست اور مسلمانوں کے برسر اقتدار آنے کے بارے میں رستم فرخزاد کی پیشن گوئی۔

شود بندهٔ بی هنر شهریار　　تبار و بزرگی نیاید بکار

۱۸- فردوسی' باوجود اس کے کہ ساسانیوں کا مدح خواں ہے اور قومی غرور کے عنوان سے قدیم ایران کے شاہی سلسلوں کی نسبت تعصب برتتا ہے مگر خلافتِ عرب اور ترک سلطنت کے مقابل کھڑے ہونے کے باوجود وہ حقیقت حال کا انکار نہیں کرتا اور وہاں جہاں خسرو پرویز کے ۳۵ خزانوں کا ذکر کرتا ہے--- وہی کہ

جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اور یمن میں اپنے متعین کردہ کمانڈر کو حکم دیتا ہے کہ "یہ غلام کون ہے جو اتنا گستاخ ہو گیا۔ اسے باندھ کر پائیتخت لایا جائے!--- کوشش کرتا ہے کہ ان خزانوں کی کہانی میں لوگوں کی سرنوشت کا تذکرہ کرے اور خاص طور پر اپنے عقیدے کے مطابق خسرو پرویز کے انحراف' اور سرمایہ پرستی کی بیماری کو کہ جو آخر میں جنون کی صورت میں اس پر عارض ہوتی ہے سماجی توجیہہ کرے اور اس انحراف کے اثرات کو لوگوں کی زندگی اور نیز خود اس کی سرنوشت پر واضح کرے۔

۱۹- یہ توصیف طبری کی ہے۔

۲۰- کاخ مدائن جو ہماری ادبیات میں "ایوان مدائن" کے نام سے مشہور ہے اور ابھی تک اس کے آثار باقی ہیں کہا جاتا ہے کہ ترچھی تعمیر ہوئی ہے اور اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ وہاں ایک بڑھیا کا گھر تھا جسے وہ چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتی تھی اور انوشیروان اپنی شدت عدل کے ناطے زبردستی اسے ہٹانا نہیں چاہتا تھا- لہذا اس نے حکم دیا کہ ایوان ترچھی تعمیر ہو تاکہ بڑھیا کے گھر کے قریب سے گزرے!

تعجب ہے کوئی ایسا شخص نہیں تھا کہ جو معماروں سے کہے کہ پہلے تمہیں چاہئے تھا کہ تم محل کی زمین کا جائزہ لو اور پھر اس کی تعمیر شروع کرو' انہوں نے پہلے تعمیر شروع کر دی اور پھر اس اشکال سے روبرو ہوئے!

اس طرح کی کہانیوں میں زیادہ تر Personneges (مرکز توجہ) بوڑھی عورتیں ہوتی ہیں! کیوں-

۲۱- گیارھواں حاشیہ ملاحظہ فرمایئے-

۲۲- فردوسی' اپنی اسی نسلی سوچ اور فیوڈلی رشتے کی بنیاد پر سلطان محمود کی بد دیانتی کے سبب کو اس میں جانتا ہے کہ :

چو اندر تبارش بزرگی نبود　　　نیارست نام بزرگان شنود

معنی: جو اس کے لہو میں شرافت نہ تھی　　　سنے باشرف کی! یہ طاقت نہ تھی

اس لئے کہ فیوڈلی نظام اور ثقافت میں اشرافیت' انسانیت سے مربوط نہیں- خون میں کچھ اور مخصوص چیزیں ہیں جو وراثت میں جاتی ہیں-

۲۳- اسلام کے مقابل قیام کرنے والے آخری ساسانی بادشاہ "یزدگرد" کا قاتل بلخ میں ایک ایرانی آسیابان کے ہاتھوں مارا گیا- حضرت عمر بھی ایک ایرانی آسیابان "ابولولو" کے ہاتھ سے مارے گئے جو شکایت لے کر حضرت عمر کے پاس آیا تھا اور حضرت عمر نے اس کی بات نہیں سنی اور پوچھا تم کیا کرتے ہو- کہا میں پن چکی بناتا ہوں' حضرت عمر نے کہا ہمارے لئے بھی بناؤ' کہا: تمہارے لئے ایسی چکی بناؤنگا کہ جب تک دنیا ہے' گھومتی رہے گی! اور اب عبداللہ بن عمر نے تلوار کھینچ لی ہے اور ان بے نام و نشان ایرانیوں کو جنہوں نے مدینہ میں پناہ لے رکھی ہے چن چن کر قتل کر رہا ہے- یہ تاریخ اسلام کی ناگہانی بازگشت کا سمبل ہے' اسی پہلی صدی کے نصف میں-

۲۴- ایرانی موچی کی داستان ہے کہ جس نے انوشیروان عادل کی حکومت میں ایسے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے جب بادشاہ نے روم سے جنگ کے لئے قومی قرضے کی اپیل کی تھی' پیشکش کی کہ وہ اپنی پوری دولت' حکومت کو بخش دے گا

اس شرط کے ساتھ کہ بادشاہ اس کے لڑکے کو پڑھنے کی اجازت دے۔ اس کی پیشکش بادشاہ کے حضور پیش ہوئی' بادشاہ نے کہا' ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا' اس قانون میں استثنٰی کی گنجائش نہیں ہے' اگر موچی کا بچہ پڑھ لکھ جائے تو دبیر بن جائے گا (تعلیم یافتہ 'انٹلیکچول)' اور چونکہ شہزادوں کو دبیروں کی ضرورت پیش آتی ہے اس لئے شہزادے' موچی زادے کے محتاج ہو جائیں گے اور پھر کیا ہو گا؟!

۲۵۔ انوشیروان عادل نے زرتشی علماء اور نیز حاکم طبقے کو بچانے کے لئے ایک دن میں بیس ہزار شخصی مالکیت کے مخالف' مزدکیوں کا قتل عام کیا۔

۲۶۔ اور اس کے بعد وہ انصاف کی گدی پر بیٹھا اور حکم دیا کہ محل میں ایک زنجیر لٹکائی جائے تاکہ جس کسی پر ظلم ہوا ہے وہ اسے ہلائے اور بادشاہ خود انصاف کے تقاضے پورا کرے۔

کہا جاتا ہے ایک بوڑھا گدھا (پھر بوڑھا!) کہ جس کے مالک نے اسے چھوڑ رکھا تھا اور کھانے کو نہیں دیتا تھا' محل کے دروازے پر آیا اور اس نے عدل کی زنجیر ہلائی۔ انوشیروان خود منصفی کرنے باہر آیا اور خصوصی حکم صادر کیا کہ اس کے مالک کو چاہئے کہ وہ اس کا خیال رکھے۔

۲۷۔ بعض ماہرین زبان' محراب کو "مہراو" کا معرب سمجھتے ہیں اور وہ مہر پرستی کے مذہب یا "میترا ازم" کی پرستگاہوں کے مقدس مقامات ہیں' لیکن یہاں میں نے اسے لغوی مفہوم میں نہیں بلکہ اس کے تاریخی اور معنوی اشتقاق کے اعتبار سے استعمال کیا ہے۔

۲۸۔ اوستا کے یسنا میں کہ جس میں گاتوں کا تذکرہ ہے بہ احتمال قوی، خدائے واحد اور سب کے خالق آھورا مزدا اور زرتشت کے گیت ہیں، بعد میں جوں جوں اوستائی متاخر تر ہوتے گئے اور اونچی سطح کے زرتشی پیشوا (موبد) اور ان کے مذہبی علماء کا زور بڑھتا گیا، اھریمن کی شخصیت اور اصالت میں اضافہ ہوتا گیا اور آہستہ آہستہ اس کی شخصیت اھورامزدا کے ہمدوش ہو گئی۔ اسلام میں پھر اھریمن بندگی خدا اور انسان سے دشمنی کی حقیر سطح پر آگیا لیکن تاریخ اسلام میں وہ پھر عالمی اھریمن بلکہ اس سے بھی بلند تر مقام پر پہنچ گیا، لیکن اس بار، زیر نقاب اللہ ایسا ہوا!

۲۹۔ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح۔

۳۰۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید (سورہ ق آیت ۱۶) ونفخت فیہ من روحی (سورہ حجر آیت ۲۹)

۳۱۔ یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثٰی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقیکم۔ (حجرات)

۳۲۔ جیسا کہ میں نے "اسلام شناسی" میں اس مقام پر جہاں پارٹیوں کی تشکیل، صف آرائی، اور سیاسی، سماجی، معاشی اور تاریخی تضادات کا تذکرہ ہے (وہاں نہیں جہاں اعتقادی، اور فلسفی جہاں بینی کے مسائل زیر بحث ہیں)، عرض کیا تھا کہ اللہ اور الناس دونوں کا محور ایک ہے، اور سماج سے متعلق آیتوں میں جہاں بھی لفظ اللہ آیا ہے وہاں آپ اس کی جگہ الناس رکھ سکتے ہیں تا کہ آیت کا عینی مفہوم

روشن ہو۔ کسی حدیث میں قیامت کی پرستش کے بارے میں یہ بات بڑی وضاحت سے آئی ہے کہ عرصہ محشر میں خدا اس آدمی سے جو اس کی قضاوت کے عمل سے گزر رہا ہے پوچھے گا۔ "میں بیمار تھا اور تم نے میری عیادت نہیں کی" بندہ حیرانی سے پوچھے گا: یہ کیسے ممکن ہے میرے رب! "بھلا تو کس طرح بیمار ہو سکتا ہے۔" خدا کہے گا": میرا فلاں بندہ تیری ہمسائیگی میں بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔" خدا پھر پوچھے گا": میں پیاسا تھا اور بھوکا' تم نے نہ مجھے پانی دیا اور نہ میرے لئے غذا مہیا کی۔" بندہ پوچھے گا: "یہ کیسے ممکن ہے میرے پالن ہار۔ تو ایک بے نیاز خدا ہے" خدا کہے گا: "میرا فلاں بندہ' فلاں جگہ بھوکا اور پیاسا تھا۔ تجھے اس کی روٹی پانی کا دھیان نہیں آیا" اور اسی طرح خدا اپنے آپ کو ہر بندہ کی جگہ رکھے گا اور لوگوں کو ان کے مقابل جوابدہ گردانے گا۔

۳۳ اور ۳۴۔ الناس عیال اللّٰہ ولا احد اغیر من اللّٰہ۔ لوگ' خدا کے اہل خانہ ہیں اور کوئی اپنے اہل خانہ کی نسبت خدا سے زیادہ غیر تمند نہیں۔

۳۵۔ المومنون کا سنان المشط (پیغمبرؐ)

۳۶۔ یاایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثٰی وجعلناکم.... (حجرات۔ آیت ۱۳)

۳۷۔ مترف (جابر' صاحبان زور)' ملاء (اشراف' صاحبان زر)' اور رہبان واحبار (یہودی راھب اور یہودی دانشور)۔ قارون' فرعون اور بلعم باعورا (قرآن)

۳۸- اس تیسرے (بلعم باعورا) سے ہے کہ جس کو قرآن بڑے غصے اور انتہائی اہانت آمیز لہجہ میں نام لیتا ہے-

"مثل الذین حملو التورات ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا"(جمعہ ۵)

"فمثله کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث"(اعراب ۱۷۶)

۳۹- یہ سارے مذاہب شروع میں خالصتاً توحیدی رہے ہیں اور اس کے بعد سندیافتہ یا مستند مذہبی پیشواؤں اور حکمران مذہبی نظاموں نے نسلی اور طبقاتی شرک کی توجیہہ کے لئے انہیں شرک سے بدل دیا-

۴۰- "Dualism" دوخدائی- دو ذوات میں وجود کی تقسیم' خیر اور شر...... (مانی اور ساسانی زرتشت....)

۴۱- "Trinite" تین خداوالے' جیسے کیتھولک (باپ' بیٹا' روح القدوس)- یونانی خدا زاگرہ' اہل ہنود کے خدا شیوا کے تین چہرے اور ساسانی ایران میں تین مقدس آذر-

۴۲- جبر--- کہ جسے بنی امیہ نے علماء کی مدد سے اسلام میں رواج دیا-- نظام خلافت میں موجود حاکم طبقوں کی سہ گانگی کو مشیت الٰہی اور قضاو قدر سے توجیہہ کرتا ہے-

۴۳- ساسانی دور کے زرتشتی مذہب میں بھی تثلیث' کہ جو طبقاتی تثلیث (زر' زور' تزویر) کی خدائی توجیہ ہے' تین خاص طبقاتی آذر کے وجود کی صورت میں

رہی ہے۔

ایک رضائیہ میں شہزادوں کے لئے مخصوص ہے' دوسرا فارس میں روحانی پیشواؤں سے مختص ہے اور تیسرا اسبزوار کے قریب کوہ ریوند کے کنارے ایک گاؤں میں کہ جس کا موجودہ نام مہر ہے' دھقانوں (مالکین اور فیوڈلوں) سے متعلق ہے۔

۴۴۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی پیدائش کے موقع پر یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ اچانک : "مدائن میں کسرای کے محل کے کنگرے ٹوٹ کر گر پڑے' فارس کا آتشکدہ بجھ گیا اور ساوہ کی ندی خشک ہو گئی"۔ وہی تین طاقتیں"؟

۴۵۔ مسیحی علماء کے املاک کی وسعت ملک فرانس کے رقبے کا ۱/۵ حصہ تھی۔ بعض شہروں میں تین چوتھائی اراضی ان کی ملکیت تھی اور بعض دوسری جگہوں پر ان روحانی علماء کے مراکز کی مالیت ۸۵ ملین لیرے تک پہنچی تھی۔ مجموعی طور پر ان کی ملکیت کی مالیت ۲۰۰ ملین لیرہ بنتی ہے (آلبر مالہ)

مزدکیوں کے قتل عام کے بعد --- کہ جس نے موبدوں (زرتشتی پیشواؤں) کو بہت خوشیاں فراہم کیں ---انوشیروان نے معبدوں کی تعمیر شروع کی اور نذر کے انتظامات کئے۔

۴۶۔ اشکانی لوگ کہ جن کا تعلق خراسان کی پارٹیوں سے تھا اس زرتشتی روحانی نظام کو خاطر میں نہیں لاتے تھے کہ جن کا تعلق پارسی نسل کے ہخامنشیوں سے تھا اور بالآخر ان ہی زرتشتی علماء نے اشکانیوں کی بیخ کنی کی اور ساسانی اسی تحریک سے ابھرنے والے لوگ ہیں۔

۴۷- وہ فارس میں استخر کے بڑے معبد کا روحانی پیشوا اور روحانی طبقہ کا مظہر تھا اور ساسانی قوم اسی کے فرزند ہیں۔ ساسانیوں اور صفویوں میں کتنی شباہت ہے!

۴۸- ''کنز'' کا لفظ' فارس کے گنج کا معرب ہے' جس کے معنی زراندوزی یا دولت کا ذخیرہ کرنا ہے۔

کنز کی آیت کہ جو ابوذر کا شعار رہی ہے یہودی اور مسیحی مذاہب کے علماء کی تنقید کے بعد نازل ہوئی ہے کہ جو خود مالکین اور حاکم طبقے سے تھے۔

یاایہا الذین آمنوا' ان کثیراً من الاحبار والرہبان لیاء کلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ' والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ' فبشرہم بعذاب الیم...... (توبہ ۳۴)

۴۹- خلافت سے وابستہ علماء شیعوں کو ''رافضی'' کہتے ہیں اور خود کو ''پیغمبر ﷺ کی سنت'' کے وفادار! دونوں درست ہیں' لیکن سنت' تاریخ پر حاکم سنت ہے یعنی کنز! یعنی اشرافیت کا ہمیشہ کا نظام۔ افلاس!

۵۰- معاویہ کہتا تھا ''المال للہ' وانا خلیفتہ اللہ''! جس کو چاہوں دوں جس کو چاہوں نہ دوں۔

ابوذر اس پر برس پڑے اور کہا: ''المال للمسلمین!''

یہ ابوذر کی قرآنی تفسیر ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی انسانی اور سماجی مسائل کا تذکرہ ہے' اللہ اور الناس ایک ہی مقصد کو واضح کرتے ہیں۔

ان تقرضوا الله قرضاً حسناء يضاعفه لكم ويغفرلكم (تغابن ۱۷)
اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو' یعنی: ان تقرضوا الناس
یاانفاق فی سبیل اللّٰہ' یعنی: فی سبیل الناس

۵۱- یہودیوں کا ایک بہت بڑا روحانی پیشوا کہ جس نے' باوجود اس کے کہ اس کا تعلق قوم یہود سے تھا اپنے ذاتی مفاد کے لئے اپنے مذہب اور اپنی قوم سے بددیانتی کی' قران میں یہ مظہرِ روحانیتِ خائن ہے اور فرعون و قارون کے نزدیک' عوامی استحمار کا سمبل۔

۵۲- بنیادی طور پر مومیائی کرنا ایک خاص مذہبی عمل رہا ہے اور اُس فن سے روحانی پیشوا واقف تھے۔ یہ لوگ فراعنہ مصر کی لاشوں کو اس لئے مومیائی کرتے تھے تاکہ یہ مٹ نہ جائیں اور ان کا وجود ہزاروں سال تک باقی رہے!

۵۳- جناب موسیٰ' تیرہویں صدی قبل مسیح کی ہستی ہیں' اور اب ساتویں صدی بعد مسیح ہے۔ (ہجرت کا آغاز ۶۲۲ عیسوی میں ہوا)

۵۴- حضرت عثمان نے جناب رسالت مآب ﷺ کی دو منہ بولی بیٹیوں کو یکے بعد دیگرے اپنے عقد میں لیا اور یہیں سے ذوالنورین کہلائے۔

۵۵- ابو موسیٰ اشعری۔

۵۶- پارسا یہودی سنار' جس نے جناب موسیٰؑ کی غیر حاضری میں سونے کا' اندر سے خالی بچھڑا بنایا اور قوم کو پہلے والی بت پرستی کی طرف دعوت دی (شرک و کنز کے

مذہب کا رابطہ)' اور چند ایک مشرک پیشواؤں کو اس کے اندر بیٹھنے پر آمادہ کیا' لوگ اس بچھڑے سے سوال کرتے تھے اور وہ لوگ اس کی اندر بیٹھے خدا کی طرف سے ان کا جواب دیتے تھے!

۵۷- "Copte" ایک قدیم مصری نسل ہے کہ جن سے فرعونی قوم کا تعلق ہے۔

۵۸- سبطی کے مقابل جو جناب یعقوبؑ کی نسل سے ہیں اولاد یعقوب کو اسباط اور اولاد اسماعیل کو قبائل کہتے تھے' عرب کی لغت میں نواسہ 'نواسی دونوں کو سبط کہتے ہیں جس کا اطلاق جناب رسالت مآب ﷺ کے فرزندوں پر ہوتا ہے کہ جو سب فرزندانِ فاطمہؑ ہیں۔

۵۹- فرعون کی زبان ہے جسے قرآن نے نقل کیا ہے:
انا ربکم الاعلیٰ (میں تم لوگوں کا خدائے برتر ہوں)۔

۶۰- اور موسیٰ نے نیز فرعون کے دربار میں پرورش پائی اور اس کے خلاف شورش کی۔

۶۱- منافقوں کی ایک ٹولی نے سازشوں اور فریب کاریوں کے لئے شہر سے اور اصحاب کی نظروں سے دور ایک مسجد تعمیر کی اور جناب رسالت مآب سے کہ جو جنگ کے لئے عازم سفر تھے' چاہا کہ وہ تبرک اور افتتاح کے عنوان سے اس میں نماز ادا کریں۔ جناب رسالت ماب ﷺ نے فرمایا: واپسی پر' واپسی پر آپ نے حکم دیا کہ اس مسجد کو آگ لگاؤ اور گرادو۔ لیکن آپ کے بعد بڑی عظیم الشان

مسجدیں اسی ڈھب پر بنیں' اس مسجد کو مسجد ضرار کا نام دیا گیا کہ جس کا مقصد خلق خدا سے بددیانتی پر تھا اور وحی کی زبان نے اس کے بارے میں کہا:
والذین اتخذوا مسجداً ضراراً وکفراً وتفریقاً بین المومنین (توبہ ۱۰۷)

۶۲- اس شرک کے مقابل کہ جو طبقات اور سماج کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے' طبقات دشمن اور سماجی نمود والی توحید-

۶۳- سورہ حدید میں یہ تین سمبل آئے ہیں کہ آرزو بھرے انسانی معاشرے کے لئے یہی تین کافی ہیں:
"لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید' فیہ باس شدید و منافع للناس"-کتاب (ایمان و علم اور ثقافت)' میزان (عدل اور مساوات)' لوہا (فوجی واقتصادی طاقت اور مادی تمدن)- (ملاحظہ فرمایئے سیمای محمد ﷺ کے عنوان سے اسلامشناسی کے آخری موضوع کا حاشیہ)-

۶۴- تہامہ' ہر اس سرزمین کو کہتے ہیں جو پہاڑی اور دریائی سلسلوں کے درمیان واقع ہو- عربستان میں اس کا مغربی کنارہ بحر احمر ہے کہ جو شمال سے جنوب تک جاتا ہے اور ان کے سامنے پہاڑوں کا وہ سلسلہ ہے جو صحرا کو دریا سے جدا کرتا ہے- مکہ اور مدینہ اس پہاڑی سلسلے میں واقع ہیں-

۶۵- ان الحسین مصباح الھدیٰ وسفینتہ النجات-
حسینؑ چراغ ہدایت اور کشتی نجات ہیں-

٦٦- بطحا' مکہ کا درہ ہے-

٦٧- نوحؑ کا طوفان بین النہرین میں رونما ہوا ہے اور احتمالاً یہ دجلہ و فرات کا طوفان تھا' اور ابھی اس کی تہہ نشین شدہ ضخیم گاد کے آثار ملے ہیں- وہ کوہ جودی جس کے بارے میں قرآن کی تصریح ہے کہ نوحؑ کی کشتی اس پر آکر رکی ایران کے شمالی مغربی حصے میں واقع "آرارات" کے پہاڑی سلسلے میں ہے-

٦٨- یزیدی لشکر کے کمانڈر عمر سعد کا جملہ :" یاخیل الله ارکبی" (جناب رسالت مابؐ کی تقلید میں' جو اسلامی لشکر میں اس جملے میں کام لیتے تھے)-

٦٩- پانچواں حاشیہ ملاحظہ فرمایئے-

٧٠- خط الموت علی ولد آدم' مخط القلادة علی جید الفتاة- فرزند آدم کی گردن پر موت' نوجوان لڑکی کی گردن پر سجنے والے خوبصورت ہار کی طرح ہے (حسین علیہ السلام)- یہ جملہ بڑی وضاحت سے بتاتا ہے کہ کس زبان اور کس ہستی کا جملہ ہے- کون ہے جو حسینؑ یا علیؑ کے صلب سے نمودار ہونے والی ہستی کے علاوہ موت کے بارے میں اس طرح کی گفتگو کرے- عام طور پر آزادی کے دلدادوں کی گفتگو یہ ہوتی ہے :

مرا مرگ بہتر از این زندگی — کہ آزادباشم کنم بندی

ترجمہ: مجھے موت بہتر ازیں زندگی — کہ آزاد رہ کر کروں بندگی

لیکن یہاں کسی اور انداز سے گفتگو ہو رہی ہے' شہادت کسی اور انداز سے دیکھی جارہی ہے: موت آدمی کی گردن پر ایک نوجوان لڑکی کی گردن میں پڑی خوبصورت

اور خوشنما ہار کی طرح آدمی کی زینت ہے۔

۷۱۔ اسی زمانے میں جب حسینؑ کربلا میں موت سے ہم آغوش ہونے جارہے ہیں، مشرق و مغرب میں جہاد کا تنور گرم ہے، معابد گرائے جارہے ہیں اور اسلام اور تکبیر کے نعرے ہر طرف بلند ہورہے ہیں۔

۷۲۔ یا "خانہ خدا" = مسجد۔بیت اللہ، کعبہ کے بارے میں یہ تعبیر خود خدا کی ہے:

ان اول بیت وضع للناس للذی ببکه.......

(دیکھئے آقای مہندس بازرگان کا سفرنامہ حج "خانہ مردم" کے نام سے)

۷۳۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں امام صادقؑ کی تعبیر:

"کان رسول اللہ یجلس جلوس العبد، ویاکل اکل العبد، ویعلم انه العبد"۔

پیغمبر بندوں کی طرح (خاکساری سے) بیٹھتے تھے، بندوں کی طرح کھانا کھاتے تھے اور اپنے آپ کو بندہ سمجھتے تھے۔

۷۴۔ سخت چہرے کا حامل یہودیوں کا خدا۔

۷۵۔ یہودی، عزیر کو یہوہ کا بیٹا کہتے تھے اور قرآن اس پر حملہ کرتا ہے۔

۷۶۔ ہمیں معلوم ہے کہ ساری نسلوں کا تعلق نوحؑ سے ہے اور تورات کے مطابق نوح کے تین بیٹے تھے: حام، یافث اور سام۔ یہودی، سام کی نسل سے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن نوحؑ سوئے ہوئے تھے اور ان کی شرم گاہ بے نقاب ہوگئی تھی، حام اور یافث دونوں یہ ماجرا دیکھ کر خیمہ سے باہر نکل آئے اور اپنے

تیسرے بھائی کو کچھ نہیں بتایا- تیسرے بھائی سام کی جب اس کیفیت پر نظر پڑی تو اس نے آہستہ سے ایک چادر لا کر شرمگاہ پر ڈالی اور باہر نکل آیا اور اس طرح بنا جیسے کچھ دیکھا ہی نہیں تھا-

نوح جب نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے حام اور یافث کے لئے بد دعا کی اور کہا خدایا ان کی اولاد ہمیشہ سام کی اولاد کی غلام رہے! (لگتا ہے بابا سوئے نہیں تھے انہوں نے عمداً ایسا کیا تھا تاکہ یہودیوں کے ہاتھ مضبوط کریں اور وہ اس کے سہارے دنیا میں اپنی برتری اور آقائی کو حاصل کریں' اتفاق سے یہودیوں نے تاریخ میں جس آقائی کو حاصل کیا ہے اس کا اصل یہی "عضو بدن" ہے اور صہیونزم جس کا عقیدہ اور جس کا کمالِ مطلوب حام اور یافث کی قوموں پر نسلی برتری اور حاکمیت طلبی ہے اس کی دلیل یہی "فلاں شے" ہے!)-

واقعاً کیسی دلیل ہے!

۷۷- جناب ہارونؑ جناب موسیٰؑ کے بھائی اور شریک رسالت ہیں- تورات میں (تقریباً ۷۰ صفحات پر مشتمل) ان ابواب میں جن میں کہ قربانی' بیت المال اور مذبح کے آداب و اطوار ہیں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ ان سارے مراسم پر مستند علماء کا اختیار اور ان کی اجارہ داری ہے اور ان علماء کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ سب ہارون کی اولاد سے ہوں-

فرعون کے وہی جادوگر کہ جو رسی کو پارے سے ترکیب دیتے تھے اور جناب موسیٰؑ کے اعجاز کے مقابل ان رسیوں کو اپنا معجزہ قرار دیتے تھے جو دھوپ میں اس کی تمازت سے حرکت میں آتی تھیں' وہی جو ساحروں کے نام سے مشہور تھے'

تاریخ ادیان کے نقطہ نظر سے فرعون کے زمانے میں مستند مذہبی پیشواء تھے اس لئے کہ مذہب اس دور میں بنیادی طور پر سحر اور جادو کے ساتھ آمیختہ تھی' حتٰی --- گو کہ ترقی یافتہ مذاہب ہمیشہ با قاعدہ طور پر ان سے جھگڑتے تھے --- پچھلے مذاہب کے مستند روحانی پیشوا' عوام کی تسخیر اور اوراد' ادعیہ اور مذہبی رسوم کی انجام دہی میں' ان کے فنون سے کم و بیش استفادہ کرتے تھے۔

۷۸- یہودی علماء کا ایک خاص فرقہ کہ جن سے جناب عیسیٰؑ کی جنگ تھی' حضرت عیسیٰؑ اصلاح مذہب کے لئے ان سے لڑتے تھے' اس لئے کہ جناب عیسیٰؑ' دینِ موسیٰ کی موعود (مسیح) ہیں' لہذا دین موسیٰ کے ان مستند علماء سے جنہوں نے موسیٰ کے دین کو مسخ اور شرک آلود کر دیا تھا ان کا بھڑنا ایک فطری امر ہے' اسی طرح جس طرح کہ امامِ غائبؑ کہ جو مذہب اسلام کے مہدی اور قائم آل محمدؑ ہیں' شیعی روایات کے مطابق اس قدر بد عنوان اور بد صفت علماء کو قتل کریں گے کہ خون کی ندیاں بہنے لگیں گی۔

۷۹- مسیح' جناب عیسیٰؑ کا نام نہیں' صفت عام ہے۔ یعنی موعودِ منتظر' اور یہودی ہمیشہ ظہور مسیح کے منتظر ہیں۔ تاہم عیسیٰ بن مریم نے کہا میں مسیح ہوں کہ جس کا مسیحیوں نے یقین کر لیا مگر یہودیوں نے کہا عیسیٰ' مسیح نہیں ہیں' حقیقی مسیح نہیں آیا ہے۔

بعض مستشرقین بلکہ مسلمان لکھنے والوں نے لفظ "مہدی" کو "مسیح" سے مطابقت دی ہے اور اس کو کہ جو شیعوں کے موعود کا لقب ہے "ھدی' یہدی" سے مشتق نہیں جانتے' خاص طور پر اگر مہدی کے مفہوم کو اس روٹ سے لیا جائے تو

وہ حضرت قائم کی شخصیت اور ذمہ داری سے سازگار نہیں ہے۔

۸۰۔ "ارض موعود" مصر میں مقید' ان یہودیوں کے لئے فلسطین کا لقب ہے جن کے ساتھ جناب موسیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ پھر وہاں لوٹ آئیں گے اور مصر کی قید سے انہیں چھٹکارا ملے گا اور دوبارہ اپنے پہلے والے بود و باش کو حاصل کرلیں گے۔ مکہ بھی جناب ابراہیمؑ کا عرضِ موعود ہے' جیساکہ قرآن میں ابراہیم کی زبان سے آیا ہے: "رب اجعل هذا البلد آمناً" (ابراہیم ۳۴)

۸۱۔ اہل ہنود کے ایک بدن اور تین چہرے والی تثلیث کا خدا۔ یہ خدا تین چہروں اور چار عناصر کا حامل ہے: اشرافیت (اسکاسر)' روحانیت (اس کا دل)' سپاہی گری (اس کے ہاتھ) اور کاریگری (اس کے افزائش نسل کا عضو)' کہ معاشرے پر حاکم تین عناصر اس کے تین اعضاء رئیسہ سے خلق ہوئے ہیں اور عوام اس کے مرئوسہ عناصر سے اور شاید ہندوؤں کی "پست قوم" اس کے گوُ سے!
اور اس کے باوجود ہندو مذہب "وحدت وجود" کی قائل ہے کہ جس کی وحدت نگری توحید سے بھی زیادہ شدید ہے! توحید صرف خداؤں کو ایک کرتی ہے' اور وحدت وجود' خدا' فطرت اور کائنات کی ہر شے کو ایک دیکھتی ہے' اور اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ شرک کی کس خوبصورتی سے توجیہہ ہوئی ہے۔

۸۲۔ زؤس خدای عالم ہے لیکن صرف یونانیوں کو آدمی سمجھتا ہے اور جو یونانی نہیں اس کی نظر میں "بربر" ہے اور بربر اسے کہتے ہیں جو بات نہیں کر سکتا اور بات کرنے کے بجائے "بک بک" کرتا ہے! اس لئے کہ زؤس صرف یونانی زبان

کو سمجھتا ہے یا اس کو زبان سمجھتا ہے اور باقی سب گونگے ہیں' عربوں کی طرح جو غیر عرب کو عجم کہتے ہیں یعنی گونگے۔ اور یونان کی جنگوں میں نیز زؤس اپنی پوری قوت سے دشمنوں اور یونان کے دشمنوں کے خداؤں کے خلاف لڑتا ہے۔

۸۳۔ ایتھنز میں ۳۰ گھرانے اشراف کے ہیں جو بقول مرحوم ارسطو کے' یکتائے روزگار یا فرد فرید ہیں اور دوسرے اقوام کے نجباء یا اشراف کے بر خلاف جن کا دائرہ قومی ہے اور جو صرف اپنے معاشرے تک محدود ہیں' ان کی شخصیت عالمی ہے اور سارے انسانوں کے درمیان ان کی حیثیت بر قرار ہے۔ اب ان پر اور کسی چیز کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ ان کی ذات' ان کی مٹی' ان کی خلقت اور ان کی فطرت دوسروں سے مختلف ہے۔ اریسٹو یا متمول خاندانی لوگ یہی ہیں جو انسانی موجودات میں اشراف کہلاتے ہیں اور مسئلہ بھی ان کے پیسہ کا نہیں ان کے خون کا ہے۔

۸۴۔ ایتھنز اور طراودہ یا ٹرائے (Troie) شہروں کے درمیان لڑائی میں ہم دیکھتے ہیں کہ زؤس "لاوکون" (Laocoon) کے ساتھ لڑتا ہے اور ایرانیوں کو بھی بربر کہتا ہے' اور "سالامین" کی جنگ کو بھی یونانیوں اور بربروں کی جنگ کا نام دیتا ہے۔

۸۵۔ یونانی اساطیر میں خداؤں اور انسانوں کے درمیان ہمیشہ رقابت رہی ہے۔ خاص طور پر زؤس کہ جو ہمیشہ اس جستجو میں ہے کہ انسان اس کے مقام تک نہ

پہنچے اور اس کے خدائی اسباب کو نہ پائے اور وہ کہ جو فطرت پر مسلط ہے اور فطرت کی طاقتیں اس کی تابع ہیں کہیں انسان فطرت کی طاقتوں کو اپنے علم و آگہی سے تسخیر کر کے اس کے لئے خطرہ نہ بن جائے' بالکل "اللہ" کے برخلاف کہ جس نے خود اپنے فرشتوں (عالم کی طاقتوں کے مظاہر) کو انسان کے قدموں پر سجدہ ریز کیا اور اس کو اپنا خلیفہ بنایا اور زمین و آسمان کو بن صلے اس کے لئے گردش دی۔

٨٦- یہی وجہ ہے کہ پرومتھ (انسان دوستی کے مظہر) نے کہ جس کا تعلق خود خداؤں سے ہے ایک ایسی آدھی رات کو کہ جب سارے خدا اور نیز زؤس بھی سو رہا تھا چپکے سے آگ کو آسمان سے اٹھا کر زمین پر لایا تاکہ انسان کو آگ ملے اور وہ رات پر بھی مسلط ہو اور سردی پر بھی (مظہر آگاہی و قوت)

زؤس نے کہ جس کو ہمیشہ انسان کی آگاہی اور قوت کا ڈر تھا' پرومتھ کو گرفتار کر کے یونان سے بہت دور کی سرزمین' یعنی قفقاز کے پہاڑی سلسلے میں سکانامی (خطرناک وحشی) قوم کے درمیان زنجیروں میں جکڑ دیا اور اس پر ایک گدھ کو مامور کیا تاکہ وہ اپنی چونچ سے اس کے جگر کو نوچ نوچ کر کھائے اور جب وہ ختم ہو جائے تو پھر دوبارہ زؤس کے ارادے سے ابھرے اور یہ کام مکرر ابد تک جاری رہے۔

یہ اس انسان کا مقدر ہے جو زؤس کی حکومت میں' انسان کی آزادی اور آگاہی کی راہ میں جستجو کرتا ہے۔ محکومیت' جلاوطنی' تنہائی' غربت' پتھر' وحشیانہ تشدد اور ابدی آزار اس کا صلہ ہے۔

۸۷- جناب موسیٰؑ صحرا سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے کوہ طور کی چوٹی پر "مقدس آگ" کو دیکھا اور یہ ان کی رسالت کا پہلا پیغام تھا-

۸۸- جناب رسالت مآب ﷺ نے غار حرا کی ظلمت میں' خواب کے عالم میں یا بیداری اور تفکر میں یا پھر خواب اور بیداری کے درمیانی عالم میں 'نور کے ایک جلوے کو دیکھا اور اسی نور میں آنکھیں کھولیں اور ایک صفحہ اور نور کی ایک تحریر ان کے سامنے آئی- اور زمین پر یہ تنہا ابھرنے والا مخروطی پہاڑ مکہ کے مشرق میں ایک کوس کے فاصلے پر ہے اور اس کا نام "جبل نور" رکھا گیا ہے-

۸۹- "پیمان لہو" یا لعقتہ الدم: خون چاٹنے والے- عرب میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی گروہ کسی ایسے کام کی نسبت جس کے لئے وہ سخت ہمت کر بیٹھتے قسم کھانا چاہتے تھے اور خون کے آخری قطرے تک نہ ٹوٹنے والا عہد کرنا چاہتے تھے تو اپنے بیچ خون سے بھرا ایک پیالہ رکھتے اور اس کے گرداگرد بیٹھ کر اس میں اپنے ہاتھ ڈبوتے تھے اور اس طرح ان کے عہد و پیمان کا انعقاد ہوتا تھا اور اس کا نام ان کے پاس "پیمان لہو" تھا-

۹۰- ایتھنز کا مشہور معبد کہ جس میں خداؤں سے متعلق بڑے بڑے بت رکھے ہوئے تھے اور اس کے اندر سے مذہبی پیشوا- زائروں' عابدوں اور آنے والوں سے باتیں کرتے تھے- یہی معبد ہے کہ جس کے بارے میں سقراط گفتگو کرتا ہے-

۹۱- ضحاک' اپنے سلسلے کا آخری بادشاہ جس کے کاندھوں پر دو سانپ ابھرتے تھے اور جتنا انہیں کاٹا جاتا تھا وہ اور زیادہ طاقت سے ابھرتے تھے اور اسے

تکلیف دیتے اور چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ مگر یہ کہ کسی نوجوان آدمی کا بھیجہ ان کی خوراک بن جائے اور اس سے ان کی بھوک مٹائی جائے۔ مگر یہ بہت تھوڑے وقت کے لئے کافی ہوتا تھا! پھر دوبارہ بھوک، دوبارہ کسی نوجوان کا سر اور اس کا بھیجہ اور نگلنے کا عمل! نوجوان آدمی کا بھیجہ ان سانپوں کی خوراک تھا اور جب تک انہیں یہ خوراک نہیں ملتی تھی وہ اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتے تھے۔

۹۲۔ قرونِ وسطیٰ میں (۵ویں صدی سے ۱۵ویں صدی تک کے زمانے میں) پادری حضرات باضابطہ طور پر جنت کی زمینوں کو فروخت کیا کرتے ہیں۔

۹۳۔ اللہ کی بکریاں، (یعنی لوگ)

۹۴۔ حافظ کی تعبیر ہے:

بگو بہ صوفی دجّال فعلِ ملحد شکل	بروبسوز کہ مہدی دین پناہ آمد

۹۵۔ یونانی مصنف "کازانتزاکیس" کی ایک عظیم الشان کتاب کا نام، جس کا ترجمہ محمد قاضی نامی ایک مترجم اور مفکر شخص نے کیا ہے۔

۹۶۔ مسیحیت کی تثلیث (Trinit) کہ خدا ایک ہے اور ایک تین اور تین ایک ہے! خدا (باپ)، وہی کہ جو کبھی بیٹے (مسیح) کی صورت میں متجلی ہوتا ہے اور کبھی روح القدس کی صورت میں۔

میرے خیال میں تثلیث کے شرک کو سارے ترقی یافتہ طبقاتی نظاموں میں ہونا چاہئے۔ حتیٰ اگر بظاہر وہ توحیدی مذہب کیوں نہ ہو (جیسے مسیحیت) یا ثنویت (جیسے زرتشت)، اس لئے کہ اس مرحلہ میں حاکم کا اکیلا طبقہ تین الگ الگ صورتوں

میں نمایاں ہوتا ہے: سیاست' اقتصاد اور مذہب-

۹۷- حاکم طبقہ کے تین ابعاد کے بارے میں قرآن کی خاص اصطلاحات :

ملاء' حریص لوگ- اشراف' (موسیٰ کے مقابل فرعون کے حاشیہ نشین)-
مترف' وہ شخص جو اپنی دولت سے سرشار ہو کر مغرورانہ چال چلے اور اپنے آپ کو ہر قید وبند سے آزاد سمجھے' سرمایہ دار!

رھبان یا احبار' یہودیوں اور عیسائیوں کے مقدس و محترم علماء' مذہبی تثلیث کے سماجی ڈھانچے میں-

۹۸- دھقان' جسے ہم نے کھیا لکھا ہے فارسی کی دری زبان میں فیوڈال ہے' زارع نہیں-

۹۹- رعیت یا رعایت "رعی" سے ہے جس کے معنا بھیڑ بکریاں چرانا ہے-

۱۰۰- سیاست' بلوغت کی عمر میں پہنچنے والے گھوڑے کو سواری دینے کے لئے' رام کرنے' تربیت دینے اور اس پر سختی کرنے سے عبارت ہے-

۱۰۱- توحید میں خاص قسم کی تثلیث-

۱۰۲- بنی امیہ اور ان سے وابستہ مذہبی پیشوائیت نے، معارف اسلامی' تفسیر قرآن' حکمت اسلامی' مذہبی جہاں بینی اور دینی اخلاق وفلسفے کے نام سے اسلام میں ایسی منطق داخل کی کہ جس کے اثرات مسلمانوں' حتیٰ شیعوں تک میں کم و بیش سرایت کر گیے جو اس نظام کی نسبت سیاسی اعتبار سے مخالف تھے اور ان کے

ساتھ ان کی مسلسل محاذ آرائی رہتی تھی' اور یہ ایک بڑی عجیب اور دردناک داستان ہے!

۱۰۳- زروان ظلمت اور زروان نور' مانوی ثنوی مذہب (دوگانہ پرستی) میں دنیا کے دو ازلی اور ابدی ذوات ہیں-

زروانی لوگ زمانے کے خدا' زروان کے معتقد ہیں جس کو یونانی "Chron" کہتے ہیں' اور یہی وہ لفظ ہے جو عربی میں دھر ہو گیا ہے بمعنائے زمانہ' ایام' اور نہج البلاغہ میں حضرت امیرؑ نے تصریح کی ہے کہ دھر ایک دیوتا کا نام ہے-

خیر و شر اور ظلمت و نور کے دو مستقل ذوات میں زروان کی تقسیم یہ بتاتی ہے کہ وہ موجودات جو نور یا ظلمت سے ہیں ان کا سیاہ یا سفید مقدر' جبری' ازلی' ابدی اور لایتغیر ہے-

۱۰۴- خلقت سے پہلے کی دنیا کہ جس میں سارے موجودات ذرّوں کی شکل میں تھے- (شاید یہ ہر کسی کی فطرت' اس کی حقیقی سرشت اور ذاتی جوہر کی تعبیر ہے)-

۱۰۵- یہی وہ عالم ذر ہے کہ جس میں خدا نے وہاں موجود سارے انسانوں سے--- ایک ایک فرد بشر سے جو دنیا میں آ چکے ہیں' یا آ رہے ہیں' یا آنے والے ہیں--- پوچھا تھا:

--- الست بربکم- کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟

سب نے کہا:

--- ہاں!

اور بس وہیں سے خلقت کا آغاز ہوا' اور یہ میثاق یا خدا کا پیمان ہے اور حضرت علیؑ کی خوبصورت اور عمیق تعبیر میں : "پیمان سرشت" (میثاق فطرت) ہے! اس مفہوم میں کہ خداپرستی' ہر انسان کے حقیقی جوہر' اس کی ذات' اس کے عمق' اور اس کے پنہاں وجدان میں ہے جسے زندگی' انحرافات اور دھوکے فریب اس کی یاد سے بھلا دیتے ہیں۔ انبیاء توحید کا درس نہیں دیتے' خداپرستی کو نہیں لاتے بلکہ ان کو انسان میں بیدار کرتے ہیں اور ان کے حافظے میں لاتے ہیں' اور "ذکر" کا لفظ جس پر قرآن نے اس قدر تکیہ کیا ہے اسی لئے ہے اور جناب رسالت مآب کی عظیم رسالت بھی یہی ہے :

---فذکر انما انت مذکر (یاد دلاؤ اس لئے کہ تم صرف اور صرف یاد دلانے والے ہو)۔

۱۰۶۔ عروہ بن مسعود' ثقیف کے ذیشان لوگوں میں سے تھے جن کی بسر اوقات طائف میں تھی اور جو لات کی پرستش کرتے تھے۔ پھر جب وہ مسلمان ہوئے اور جناب رسالت مآب ﷺ نے انہیں تبلیغ اسلام کے لئے اپنی قوم کے پاس بھیجا تو وہ طائف کی ایک بلندی پر گئے اور قوم ثقیف میں کہ جو اپنے اڑیل پن اور تعصب میں مشہور تھے' توحید کی آواز بلند کی اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور بت پرستی سے روکا' تو اس عالم میں جب وہ ناقابل بیان ایمانی ولولہ کے ساتھ تقریر میں مصروف تھے قوم ثقیف نے ہر طرف سے ان پر پتھر اور تیر برسائے' مگر انہوں نے اپنا بولنا بند نہیں کیا اور پتھروں اور تیروں کی اس بوچھاڑ میں اپنی دعوت کی تکرار کرتے رہے' توحید کا نعرہ لگاتے رہے' یہاں تک

کہ وہ گر پڑے اور موت نے انہیں خاموش کر دیا۔

۱۰۷۔ کھوجی یا رائد وہ ہوتا ہے جو قبیلہ کی طرف سے قبل از کوچ چراگاہوں اور پانی کے ذخیروں یا چشموں کی جستجو میں نکلتا ہے اور قبیلے کے رکنے کے لئے ایک مناسب، محفوظ، اور آباد زمین کو منتخب کر کے واپس آتا ہے اور اپنی قوم کو اس کی خبر دیتا ہے اور پھر اپنے قافلے کو اس طرف لے جاتا ہے۔

۱۰۸۔ حضرت ابوذر غفاری کا نام۔

۱۰۹۔ حبر عربی میں دوات اور اس کی سیاہی کو کہتے ہیں۔ حبر، حقیقی صفت میں اعلیٰ مرتبے والے عالم کو کہتے ہیں، احبار اس کی جمع ہے جس کا اطلاق یہودی مذہبی علماء پر ہوتا ہے اور کعب الاحبار جو یہودیوں کا ایک انتہائی ممتاز عالم دین تھا جناب رسالت مآب ﷺ کے بعد مسلمان ہوا، لیکن ابھی اسلام میں اسے عالم کا درجہ حاصل نہیں ہوا تھا لیکن چونکہ حضرت عثمان کا نظام، زر، زور اور درباری اور اشرافی حاکمیت کا نظام تھا اور اس کو مذہبی معاشرے میں ایک ایسے وسیلے کی سخت ضروری تھی اس لئے اس نے اسے اس طرح اپنے قریب کر لیا اور وہ شخصیت دی کہ وہ کعب الائمہ اور کعب الاصحابِ اسلام ہو گیا اور اسے اسلام کی پیشوائیت کا باقاعدہ مقام مل گیا۔ اس طرح کہ وہ دین اسلام کے نام سے فتوے جاری کرنے لگا اور وہ بھی پیغمبر ﷺ کے انتہائی قریبی اور خاص الخاص صحابی جناب ابوذر کے مقابل پر!

۱۱۰۔ یہ حضرت عثمان تھے کہ جنہوں نے پہلی بار خلافت کو سلطنت کی صورت دی

اور اسلام میں قوم پرستی، کنبہ پرستی، اموی اشراف کے درمیان بڑے بڑے عہدوں کی تقسیم، جلاوطنی اور سیاسی قید جس کا اسلام میں کوئی حوالہ نہیں تھا، اور نیز حاجب، گارڈ، محافظ، اور سرکاری مولوی کو اس نے جگہ دی اور حضرات ابوبکر و عمر کے برخلاف کہ وہ اپنے آپ کو عوام کا منتخب گردانتے تھے انہوں نے اپنے آپ کو خدا کا منتخب گردانا! (جب عوام کا اس امر میں دخل نہ ہو تو شاید خدا ہی نے یہ کام کیا ہو!) یہی وجہ تھی کہ جب مصر اور بصرہ وغیرہ کے مسلمانوں کے انقلاب میں لوگوں کا ہجوم ہوا اور انہوں نے حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا اور ان پر دباؤ ڈالا کہ خلافت سے مستعفی ہو جاؤ و گرنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے تو انہوں نے پیغام بھیجا کہ: "یہ وہ لباس ہے جسے خدا نے مجھے پہنایا ہے اور میں تمہارے کہنے پر اسے اپنے تن سے نہیں اتاروں گا!"

۱۱۱- مروان حکم ایک انتہائی پلید شخص تھا جسے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں جلاوطن کیا تھا اور حضرت ابوبکر و عمر نے اس کے بااثر رشتہ داروں کی سفارشوں کے باوجود یہ جرات نہیں کی کہ اسے مدینے واپس لائیں اور کہا، ہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جلاوطن کیئے جانے والے شخص کو ہرگز آزاد نہیں کریں گے، حضرت عثمان نے اسے مدینہ لاکر اپنا مشیر بنایا اور اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحابی حضرت ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کیا! اور علیؑ کو بھی ان کی مشایعت سے منع کیا۔ مگر علیؑ نے حقارت سے اسے ایک طرف کیا اور اپنے آقا کے پاس واپس بھیجا اور جناب ابوذر کی مشایعت کی۔

۱۱۲- تین سو تیس سے زیادہ بت خانہ کعبہ کے اندر اور باہر نصب تھے اور ہر گروہ

اور ہر بڑے گھرانے کا اپنا ایک بت کعبہ میں تھا اور اس طرح کعبہ' تمام عربوں کا مظہر اور عرب قوم کی طبقاتی' خاندانی اور قبائلی تفکیک اور تفرقے پر مبنی نظام کا توجیہہ کنندہ ہو گیا تھا۔

۱۱۳۔ جس سال مکہ فتح ہوا' شیعی روایات کے مطابق علیؑ جناب رسالت مآب ﷺ کے کاندھے پر سوار ہوئے اور اونچائی پر نصب شدہ بتوں کو ایک ایک کر کے زمین پر گرایا۔ اب محمد ﷺ مدینہ کے اندر اپنے گھر کے ایک کونے میں--- کہ جس میں نہ کوئی شور ہے اور نہ شرارہ' اس لئے کہ اسلام کا مرکز اب دمشق اور سبز محل میں چلا گیا ہے--- خاموشی کے ساتھ آسودہ خاک ہیں اور علیؑ کوفہ کے قریب (موجودہ نجف میں) خون میں نہائے پیوند خاک ہیں۔

۱۱۴۔ حجابت' سقایت اور رفادت کعبہ کے تین باقاعدہ عہدے تھے اور یہ سب قریش کے لئے مخصوص تھے۔ جناب رسالت مآب ﷺ نے ان اشرافی عہدوں کو کہ جن کا کوئی مفہوم نہیں تھا' بس ایک عنوان اور ظاہری ضابطہ تھا' ہٹا دیا اور صرف سقایت یعنی پانی پلانے کو باقی رکھا کہ جو بہت ضروری' بہت سخت اور ناز و شرف سے خالی تھا' اور یہ کام اس زمانے میں بہت دشوار اور حیاتی پہلو کا حامل تھا۔

۱۱۵۔ مصحف = قرآن

۱۱۶۔ خلافتی نظام شیعوں کو "رافضی" کہتا تھا اور رفض کے معنی ترک اور دور کرنے کے ہیں' اور اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ انہوں نے "شیخین کی محبت" کو ترک

کیا ہے اور اسلامی جماعت میں انشعاب پیدا کیا ہے اور یہ بات انہوں نے اپنی نسبت سے کہی ہے جو سنّی ہیں، یعنی اہل سنت والجماعت اور شیخین کے چاہنے والے! اور یہ رفضِ سنت پیغمبر ﷺ نہیں، رفضِ سنت تاریخ ہے، ان تینوں کی سنت ہے!

۱۱۷- لغت میں اسلام سَلَمَ سے نکلا ہے یعنی تسلیم و تمکین- اسی مفہوم کو خلافت کے نظام میں باقی رکھا گیا بلکہ جناب رسالت مآب ﷺ کے دور سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ، صرف متمم میں فرق آگیا: "خدا کے مقابل" نے اپنی جگہ "خلیفہ خدا کے مقابل" کو دے دی!"

۱۱۸- تاریخ ادیان اور اسلام شناسی میں (سیمای محمدؐ نامی باب میں)، میں نے جو نظریہ پیش کیا ہے، اس میں کہا ہے کہ ہندوستان، چین اور ایران، کے سارے پیغمبروں اور یونان کے سارے معنوی حکماء کا تعلق اونچے درجے کے اشراف اور حاکم طبقہ سے رہا ہے اور حقیقی اور ابراہیمی پیغمبر جناب رسالت مآب ﷺ کی تصریح کے مطابق "مامن نبی الاقدرعی الغنم" (ابن ہشام) اور نیز بہ اعتراف تاریخ سب چرواہے رہے ہیں اور چند ایک کاریگر (جیسے نوحؑ نجار اور زرہ بنانے اور چٹائی بننے والے داؤدؑ)- ہمارے رسول مقبول، قراریط میں مکہ کے لوگوں کی بکریاں چراتے تھے-

۱۱۹- سمیہ مکہ میں ایک سیاہ فام کنیز تھی اور یاسر یمن کا ایک عرب، اور عمار ان دونوں کا بیٹا تھا- یہ گھرانہ جب مسلمان ہوا تو چونکہ ان کا تعلق اشراف قریش سے

نہیں تھا اور مکہ میں ان کا کوئی والی و وارث نہیں تھا اس لئے یہ لوگ ابو جہل کے ہولناک تشدد کا شکار ہوئے اور آخر کار سمیہ اور یاسر جناب عمار کے سامنے جاں بحق ہوئے۔ بلال بھی اسی طرح ایک حبشی غلام تھا جو مسلمان ہو گیا تھا اور اس کا مالک، امیہ بن خلف اسے خوفناک تشدد کے عذاب سے گزارتا تھا اور اس نے حیرت انگیز انداز میں صبر کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر نے جناب رسالت مآب ﷺ کے کہنے پر اسے خرید کر آزاد کر دیا، اور خباب بن ارت صحابی بھی تشدد اور سختی کی تاب نہ لا کر جی سے گزر گئے۔

۱۲۰۔ امیہ بن خلف، جناب بلال کا مالک تھا کہ جس نے اسے ہولناک اذیتوں سے گزارا، لیکن بدر کی لڑائی میں--- عبد الرحمن بن عوف کی ممانعت کے باوجود--- بلال کی کوششوں سے اسے قتل کر دیا گیا۔ عبد الرحمن باوجود اس کے کہ مسلمان تھا مگر چونکہ امیہ اور اس کا ایک ہی طبقہ تھا اور دونوں اشرافی تھے، اس بہانے سے کہ میں نے امیہ اور اسکے بیٹے کو گرفتار کیا ہے ان دونوں کا ہاتھ پکڑا تاکہ انہیں اس منظر سے باہر نکال دے، لیکن بلال نے بڑی کوشش کی اور کہا امیہ کفر میں سرفہرست ہے اور اس کا قتل ضروری ہے، اور آخر کار عبد الرحمن کا مکر بے نتیجہ رہا۔

۱۲۱۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والے بیشتر لوگوں کا تعلق لوگوں کے محروم طبقہ سے تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اشرافیت، بردہ داری اور قریش کی قومیت کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اور یہی وہ بات تھی کہ جو پیغمبر اسلام اور اسلام لانے والوں کی نسبت عرب کے متکبر افرد کے استہزا کا باعث تھی اور جیسا کہ قرآن نے اسے نقل کیا ہے "اراذل ناس" (پست اور بے سروپا لوگ)

اس کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔

اور چونکہ دین اور اشرافیت، حاکم طبقے کے نزدیک ایک ہے لہذا جو کوئی مشرف بہ اسلام ہوتا تھا وہ کہتے تھے: صباء فلان (فلاں شخص دین سے پھر گیا ہے) اور ان لوگوں کو صابی (دین سے برگشتہ) کہتے تھے۔

۱۲۲- ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے موصوف اُمّی کی صفت مختلف مفہوم کی حامل ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو ام القری کی نسبی صفت سے لیا ہے کہ جو مکّہ کا نام ہے اور بعض لوگوں نے انہیں ناخواندہ، معلم نادیدہ، اور لکھنے پڑھنے سے عاجز جانا ہے (اور زیادہ تر یہی نظریہ غالب ہے) اور بعضوں نے اسے اُم سے منسوب کیا ہے (دیکھئے تفسیر نوین، استاد محمد تقی شریعتی، اور "محمدؐ خاتم پیغمبران" نامی کتاب کی دوسری جلد میں آقای مطہری کا مقالہ) لیکن میرا خیال ہے کہ اُمّی منسوب بہ "اُمّت" ہے اور میں اُمّی، اُمّت، اور امام کے تینوں لفظوں کو ایک ہی اصل اور ایک ہی سلسلے سے جانتا ہوں، اور اُمّی کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جو عوام کے درمیان سے ابھرا ہو، خواص، برگزیدہ اور ممتاز طبقوں سے نہیں اور ناخواندہ کہنے کے بارے میں بھی جو بات کہی گئی ہے وہ التزامی ہے۔ اس لئے کہ تعلیم بھی ان دنوں اونچے طبقوں کے پاس ہی رہی ہے۔ جیسا کہ آج بھی عام انسان کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان جو معاشرے کا ایک معمولی آدمی ہو اور اسی مفہوم میں اسے ان پڑھ اور غیر تعلیم یافتہ سمجھا جاتا ہے۔

۱۲۳- حرام یا قابل احترام مہینے چار ہیں جن میں جنگ حرام ہے اور "بلدِ حرام" سے مراد مکہ ہے اور اس میں بھی جنگ، جارحیت، بلکہ شکار اور زمین سے پیڑ، پودے یا

گھاس پھوس اکھاڑنا بھی حرام ہے' یہ "امن" کا شہر ہے' لیکن یہ حرمت و امنیت ہمیشہ عوام فریب لوگوں اور طاقتوں کی مصلحتوں کے گرد حصار رہی ہے اور اس وقت تک اس کی رعایت ہوتی رہی ہے جب تک ان کے مفادات اس اصل کی تنسیخ کے متقاضی نہیں ہوئے۔

۱۲۴- ۱۵۸ واں حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۲۵- پہلی بار اسلام میں جس نے اپنے لئے محل کی تعمیر کی وہ معاویہ تھا' اس نے نہایت دھوم دھام اور شوق و ذوق سے اس محل کی تعمیر کی' اور رومی اور ایرانی معماروں کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ وہ روزانہ تعمیر کے کام کو دیکھنے آتا تھا اور دیر تک اس کا نظارہ کرتا تھا اور جناب ابوذر بھی جو ان دنوں شام میں جلاوطن تھے روز اس کے سر پر آدھمکتے تھے اور کہتے تھے :

اے معاویہ اگر محل کو تم اپنے پیسے سے بنا رہے ہو تو یہ اسراف ہے اور اگر اس میں عوام کا پیسہ لگ رہا ہے تو یہ "خیانت" ہے۔

اس محل کو اس کے رنگ کی مناسبت سے "سبز محل" کہا جاتا ہے۔

۱۲۶- "مذہب، مشرق و مغرب میں": رادھا کرشنن

۱۲۷- صفین میں حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان لڑائی میں حضرت علیؑ کا لشکر قطعی کامیابی کے آستانے پر تھا کہ اچانک ایک "مذہبی عوام فریبانہ" چال نے مذہب کے حقیقی دشمن کے فائدے میں جنگ کی سرنوشت بدل دی' اور یہ ہوشیارانہ چال معاویہ کے وزیر مشاور عمرو عاص کی تھی کہ جس کے حکم سے

معاویہ کے سپاہیوں نے قرآن کو نیزوں پر بلند کیا اور پکار کر کہنے لگے ہم سب ایک دین کے پیرو کار اور ایک کتاب کے ماننے والے ہیں، پھر کیوں ایک دوسرے پر تلوار چلارہے ہیں، آئیں اور قرآن کو حَکَم قرار دیں اور حَکَمیّت جو بات مقرر کرے اسے مان لیں!

اچانک علیؑ کی فوج کے ایک بڑے حصے نے ہاتھ روک لئے اور پیچھے ہٹ گئی اور احمق، نادان اور مورکھ لوگوں نے اعلان کیا کہ "ہم قرآن پر تلوار نہیں اٹھاسکتے"! علیؑ پکارتے رہے کہ یہ دھوکہ ہے، فریب ہے، تلوار چمکاتے رہو، یہ قرآن، پلیدی کی تقدیس، شرک کی توجیہہ اور ظلم و جور و جرم کے نظام کے تحفظ کا ذریعہ ہے.....! ہاتھ نہ رکنے پائیں، تلوار چلتی رہے، قرآنِ ناطق میں ہوں! لیکن ان لوگوں نے جن کی عقلیں ان کی آنکھوں میں تھیں اور جن کا دین ظاہرہ چیزوں، ظاہرہ صورتوں اور مقدس چیزوں کی پرستش تھا جو منجمد سانچوں پر اندھا عقیدہ رکھنے والے لوگ تھے اور سازشوں، رودادوں اور واقعیتوں کے تجزیئے اور عواقب کے ادراک سے عاجز تھے، ان کے سامنے کھڑے ہوگئے اور کہا اگر تم نے حُکم دیا کہ ہم، قرآن پر تلوار چلائیں تو خود تم پر تلوار چلائیں گے، تمہیں چاہئے کہ تم حَکَمیّت کو تسلیم کرو، وگرنہ ہم تم کو قرآن کے آگے عدمِ تسلیم کے جرم میں قتل کردیں گے! فوراً مالک کو حکم دو کہ وہ جنگ روک دے! اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا گروہ اس کی ضد پر نمودار ہوا، لیکن اس کا تعلق بھی علیؑ کی فوج کے ان ہی احمق، نادان اور مورکھ لوگوں کے عقلی اور شعوری جنس سے تھا، اس نے دوسری طرف کھڑے ہوکر کہا، اگر تم نے حَکَمیّت کو تسلیم کیا تو ہم خود تم پر تلوار چلائیں

گے- اگر تم اپنے آپ کو بر حق سمجھتے ہو تو کیوں ان کے دباؤ میں آتے ہو- حکومت' خدا کی ہے تم سے اس کا تعلق نہیں کہ تم فیصلہ کرو-

ان ہی لوگوں نے حَکمیّت کو علیؑ پر مسلط کیا اور یہی لوگ حَکمیّت کے جرم میں' علیؑ کی فوج سے خارج ہو گئے اور خوارج کہلائے اور علیؑ کے خلاف نہروان کی جنگ لڑی یہ دونوں گروہ' انتہائی متعصب' مقدس' مذہبی' حد درجہ مومن اور عبادت' زہد' اور تقدس میں مشہور تھے! لیکن ایک کمزور پہلو' ان کے ساتھ تھا اور وہ یہ تھا کہ ان کے پاس شعور نہیں تھا اور بے شعور ہونا بھی شرعی نقطہ نظر سے کوئی خرابی نہیں ہے- ایک گروہ کے پیش نظر قرآن کی حرمت ہے کہ اس کی اہانت نہیں ہونی چاہئے اور دوسرے گروہ کے پیش نظر قرآن کی آیت کی حرمت کہ: ان الحکم الا للہ! اور دونوں گروہ معاویہ کے دشمن، مگر اس بیچ علیؑ ہیں جن کی گردن پر تلوار رکھ دی گئی ہے اور معاویہ ہے جو کامیاب ہو رہا ہے!

ذرا ملاحظہ کریں کہ علیؑ پر کیا بیت رہی ہے' وہ بھی دشمن کے ہاتھوں نہیں دوست کے ہاتھوں سے' کافر سے نہیں' مومن سے' جور کے ہاتھوں سے نہیں جہل کے ہاتھوں سے-

اور علیؑ قتل ہو رہے ہیں اس تلوار سے نہیں کہ جسے "آگاہ لامذہب" آگے سے ان پر لہرا رہا ہے اس خنجر سے جسے "ناآگاہ مذہبی" پیچھے سے ان کی پیٹھ پر گھونپ رہا ہے!

اور علی کی پشت زرہ سے خالی ہوتی ہے!

۱۲۸- ابن ملجم مرادی--- ان ہی مقدس مآب اور بے شعور متعصب خوارج میں سے

ایک تھا جس نے کوفے کی مسجد میں نماز صبح کے قریب علیؑ کے سر پر ضربت لگائی۔ خوارج جن کا تعلق علیؑ کے چاہنے والوں سے تھا اور جو حکمیت کی بات پر علیؑ کے لشکر سے جدا ہو گئے تھے یہ طے کیا کہ اسلام کی خدمت اور اسلام کے دو بنیادی اصولوں کی برقراری کے لئے کہ جن میں سے ایک تحفظ وحدت اور امت مسلمہ کی نجات اور دوسرا "لا حکم الا اللہ" کی بنیاد پر "حکومت الٰہی" کا استقرار تھا امام امت علیؑ اور معاویہ کو راستے سے ہٹا دیں اور "اسلامی معاشرے میں برادر کشی، کشمکش اور اختلافات کو ختم کر دیں"۔ اس کام کے لئے انہوں نے دو افراد کو متعین کیا، وہ جو معاویہ کے قتل پر مامور تھا اپنے کام میں کامیاب نہیں ہوا اور وہ جسے علیؑ کے لئے متعین کیا گیا تھا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

تعجب ہے کہ وہ خوارج جو ایمان اور تقدس کے اس زمانہ میں، مذہبی تقدس کی شدت اور مذہبی خشکی اور عبادت میں زبان زد خاص و عام تھے ہر کسی کو قرآن بھی حفظ تھا اور فقہی اعتبار سے اس بات کے بھی معتقد تھے کہ ایک معمولی گناہ بھی انسان کو اسلام سے خارج کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو مرتد کا ہے (مرتد کا حکم کافر سے زیادہ سخت ہے اور اس کا حکم قتل ہے اور مرتد وہ ہے کہ جو اسلام سے کفر کی طرف جاتا ہے)، مگر اس کے باوجود وہ بنی امیہ کی مخفیانہ سیاسی سازشوں اور غیر مستقیم تحریکات کا کھلونا بن جاتے ہیں اور علیؑ کو تقوٰی، ایمان اور اسلام کے نام پر اَمَویوں کے کفر و خیانت و فساد بھرے نظام کے مفاد میں قتل کرتے ہیں اور آخر کار انہیں معاویہ کی پیشرفت کے راستے سے ہٹا دیتے ہیں۔

۱۲۹۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، جناب ابراہیمؑ کے سلسلے سے ہیں اور اسلام، دینِ

ابراہیمؑ ہے' جناب ابراہیمؑ کا لقب "ابوالانبیاء" ہے- وہ انبیاء کے باپ' اور توحید کی عالمی تحریک کے بانی ہیں اور جناب رسالت مآب ﷺ ان کے وارث اور ان کی تحریک کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے ہیں اور جناب ابراہیمؑ نے--- سارے ابراہیمی پیغمبروں کی طرح کہ جو اپنے دور کی طاقت کے مظہر سے بھڑ تے تھے--- اس نمرود سے ٹکرلی کہ جو خدائی کا دعوا کرتا تھا' اور خدائی دعوا یعنی استبداد' سرکشی' زمین پر حاکمیت طلبی' لوگوں کی گردنوں پر سوار رہنا اور خلاصہ کلام یعنی "لوگوں کے ارباب بننے کا دعویدار ہونا"- ☆

اور یہی وجہ ہے کہ فرعون کا خدائی دعوا اس مفہوم میں ہے کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے:

"انا ربکم الاعلیٰ" "میں تمہارا رب ہوں' اس لئے کہ خدا لوگوں کا رب ہے-

---

☆ ارباب "رب" کی جمع ہے جس کے معنے صاحب و مالک کے ہیں اور اس کا دقیق ترجمہ خدا یا خداوندگار ہے- لیکن فارسی میں ارباب' مفرد مفہوم میں استعمال ہوتا ہے اور اس طرح کے بہت سے اور بھی غلط العوام ہیں جیسے حور کہ جس کی جمع حوراء (سیاہ چشم) ہے لیکن فارسی میں یہ مفرد استعمال ہوتا ہے اور مشہور اور رائج غلط العوام کا مطلب ہے صحیح اور درست! (البتہ یہ بات زبان کے قاعدے کے لئے مختص ہے' چال چلن' عقیدے اور فکر و عمل کے قاعدے میں نہیں!)

کس طرح کی واضحات اور توضیحات آدمی کو دینی پڑتی ہیں! خدانخواستہ اگر میں ایسی توضیح نہ دیتا تو جانے کیسی توجیحات مجھے سننی پڑتیں! کہ مثلاً: فلاں کہتا ہے چونکہ بادہ نوشی کا رواج بڑھ گیا ہے اور یہ عام ہو گئی ہے' اس لئے یہ درست ہے' اور' چونکہ لامذہبی فیشن ہو گئی ہے اس لئے یہ کوئی عیب نہیں' اور اس طرح کی باتوں کا سلسلہ قائم ہو جاتا-

وگرنہ فرعون نے یہ نہیں کہا کہ میں عالم کا پیدا کرنے والا ہوں یا آج کے رائجہ مفہوم میں وہ خدا کی نفی کر کے اپنے آپ کو اس کی جگہ بٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ فرعون ایک ''مذہبی صنف'' ہے' وہ لوگوں کو ڈراتا ہے کہ موسیٰ کا دین تمہیں بگاڑ دے گا۔اور یہ کہ قرآن کہتا ہے کہ ایک گروہ خدا کے علاوہ اپنے رؤسا اور روحانی علماء کی ''عبادت'' کرتا ہے' عبادت یا پرستش اس طرح کی الٰہی یا دینی پرستش نہیں جس طرح کہ آج ہم خصوصی طور پر سمجھتے ہیں بلکہ جو کوئی لوگوں کو محض اپنی اطاعت پر مجبور کرتا ہے وہ انہیں اپنی عبادت پر مجبور کرتا ہے اور نتیجتاً خدائی دعویدار بنتا ہے' اور نیز جو کوئی کسی فرد یا کسی صنف کو اپنا تکیہ گاہ بناتا ہے' ان کے آگے تسلیم محض ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ تسلیم و خضوع و بندگی سے پیش آتا ہے۔ وہ ان کو اپنا معبود بناتا ہے اور ان کی بندگی کرتا ہے۔

۱۳۰۔ مقدس پطرس' (Saint Pierse) حضرت عیسیٰؑ کا مشہور حواری اور تاریخ مسیحیت میں کلیسا کا پہلا بانی مبانی اور پہلا پوپ جو ایک مچھیرا تھا' پوپ یا بابا کہ جس کے معنے باپ کے ہیں وہی پطرس یا ''پیر'' ہے کہ جس سے باپ کا مفہوم نکلتا ہے اور کیتھلیکی کلیسا کے سارے پوپ اس کے جوتوں کو' خدا یعنی زمین پر مسیح کی نمائندگی اور مقام روحانیت کی وراثت کی علامت کے طور پر پہنتے ہیں۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ قرون وسطیٰ کے پوپ حضرات نے جس قدر دوسرے مسیحی فرقوں' خاص طور پر پروٹسٹنٹوں اور مسلمانوں کا بالخصوص صلیبی جنگوں میں قتل عام کیا ہے اور کلیسا کی طاقت کی برقراری' امر بالمعروف' کفر و بت پرستی کے مذاہب کی تبدیلی اور مسیحیت (روح و نور و عشق و مہربانی و صلح کے دین) کو

منوانے کے لئے جس قدر امریکی' افریقی' مشرق بعید' ابتدائی متمدن قوموں اور علاقائی لوگوں کو مارا ہے ان کی تعداد آتیلا' نرون' آشور بنی پال اور چنگیز وغیرہ جیسے تاریخ کے سارے مشہور جلّادوں کی قاتلانہ کارروائیوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے اور اگر ہم ان میں ان قاتلانہ کارروائیوں کو بھی شامل کر دیں جن کی رہنمائی اور حمایت کلیسا کر رہی تھی تو بات جہنم تک جا پہنچتی ہے۔

مچھیرے کے یہی جوتے' عالمگیر جلّادوں کے تمام جوتوں سے زیادہ مظلوم انسانوں اور ان لوگوں کے خون سے آغشتہ ہیں جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ کیتھولیک نہیں تھے۔

در آں حالیکہ مسیحیت کا مطلب ہے ایک دوسرے کو دوست رکھنا! حتٰی اپنے دشمن کو بھی دل سے چاہنا' اگر وہ تمہارے سیدھے گال پر طمانچہ مارے تو تم اپنا دوسرا گال اس کے سامنے کر دو!

۱۳۱- جناب رسالت مآب ﷺ کے ظہور کے وقت یمن' ایران کا ایک نو آبادیاتی علاقہ تھا- انوشیروان عادل نے یمن پر مسلط اہل حبش کے مقابل اہل یمن کی حمایت کے عنوان سے وہاں لشکر کشی کی اور اس لشکر میں ان لوگوں کو رکھا جو ایران کی جیل میں چوری' قتل' لوٹ مار اور مجرمانہ کارروائیوں میں ملوث تھے اور انہیں سزائے موت ہو گئی تھی کہ اگر وہ مارے گئے تو انہیں مرنا تو تھا ہی اور اگر انہوں نے دشمن کو شکست دی اور بچ گئے تو وہ وہیں یمن میں رہنے پر ماذون تھے۔

اس لشکر نے اہل حبش کو یمن سے بھگا دیا مگر خود اس کے جانشین بن بیٹھے اور یمن باضابطہ طور پر ساسانیوں کی نو آبادی ہو گیا- ساسانی بادشاہ یمن کے نظم و نسق

کے لئے حاکم بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ اسلام آیا اور یمنیوں نے پھر سے اپنے استقلال کو حاصل کیا اور آزادی سے ہمکنار ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ انوشیروان نے ایک انتہائی وحشی حاکم کو یمن بھیجا تھا جس کی ایک عادت یہ تھی کہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا تو ضروری تھا کہ اس کے آگے ایک انسان کو بیچ سے دو کیا جائے تاکہ وہ اس کے درمیان سے ہو کر گزرے' انوشیروان نے یمن میں اپنے نجات دہندہ لشکر کے کمانڈر کو جو حکم صادر کیا تھا اسے بلعمی نے اپنی تاریخ میں اس طرح نقل کیا ہے:

"یمن میں رہنے والی حبش کی پوری قوم کو تہہ تیغ کردو' بوڑھے' جوان' مرد' عورت' اور بچے بالے سب کو بلا استثناء نیست و نابود کردو۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے ان کے بچوں کو ان کے سامنے قتل کردو' جس کے بال گھنگھریالے ہوں ان کا بھی بلا تحقیق صفایا کردو اور انکو بھی زندہ نہ چھوڑو جن کے بارے میں تمہیں معلوم ہو کہ وہ ان یمنیوں کی نسبت اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں یا ان کے حامی ہیں۔ سب کا قتل عام کردو تاکہ یمن میں حبش کا کوئی فرد باقی نہ رہے"۔

۱۳۲۔ "پیغمبر سے" ایک حدیث کی بنیاد پر دس افراد کا نام لیا جاتا ہے کہ وہ "عشرہ مبشرہ بالجنہ" ہیں۔ غیر معصوم افراد کے لئے پہلے سے ایک ایسی بشارت نہ صرف یہ کہ اتنی پیغمبرانہ نہیں بلکہ اس حدیث میں جن افراد کا نام لیا گیا ہے وہ "سنت" سے زیادہ "سیاست" پر محمول ہوتے ہیں اور ان ہی میں کی ایک شخصیت زبیر ہیں' وہ وافر غلاموں کے مالک کہ جنہوں نے علیؑ کے خلاف جنگ جمل کی راہ استوار کی!

وہ پیغمبر جو کہتا ہے مجھے غیب کا علم نہیں ہے (سورہ انعام' آیت ۵) اور کہتا

ہے: "ولوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر" (اعراف - ۱۸۸) یعنی اگر میں غیب کا علم جانتا ہوتا تو خیر کثیر تک میری رسائی ہوتی، کس طرح ان دس لوگوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے جن میں سے بعض کا دوزخی ہونا، دینی موازین کی رو سے بالکل واضح ہے، اور اگر انہیں غیب کا علم تھا تو کس طرح انہوں نے ایسے افراد کو جنت کی بشارت دی ہے جو کسی اعتبار اور کسی میزان سے اہل نجات نہیں ہیں، یہ وہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے زمانے کے امام کے خلاف علم بغاوت بلند کی اور جمل کی لڑائی چھیڑ دی۔ جس میں بیس ہزار مسلمان، جن میں رسول خدا کے بہت سے نیکوکار اور پرہیزگار اصحاب بھی تھے لقمہ اجل بنے۔ یہ حدیث مجعولات میں سے ہے جس کی کوئی سند نہیں ہے۔

۱۳۳۔ زبیر بن عوام، رسول خدا ﷺ کے مشہور صحابی ہیں۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی وفات کے بعد ان کا میلان علیؑ کی طرف تھا، خاص طور پر اس لئے بھی کہ ان کے ساتھ ان کا خونی رشتہ بھی تھا، پیغمبر ﷺ و علیؑ کے دادا جناب عبدالمطلب کی بیٹی "صفیہ" ان کی والدہ تھیں۔ لیکن علیؑ کی حکومت میں چونکہ ان کا مقصد پورا نہیں ہوا اور علیؑ نے انہیں کوئی عہدہ نہیں سونپا اس لئے انہوں نے حضرت عائشہ اور طلحہ کی مدد سے جنگ جمل کا آغاز کیا۔ وہ ایک سرمایہ دار شخص ہو گئے تھے۔ ایک ہزار غلام ان کے لئے کام کرتے تھے اور بردگی کے قانون کے مطابق اپنی مزدوری اپنے آقا کے حوالے کیا کرتے تھے!

اور یہی سبب علیؑ سے ان کی جدائی کی توجیہ کرتا ہے!

ایک دن، ایک علمی شخصیت نے کہ جس کا مذہب سے بھی اچھا خاصا لگاؤ تھا،

جناب ابوذر کی تحریک سے متعلق میرے تاثرات کی نوعیت پر گفتگو شروع کی اور شیعی "عدالت" قرآن کے مفہوم "قسط" اور ہابیل و قابیل کی جنگ کے بارے میں کہ جو فردی مالکیت کے نظام کا عکس ہے، ارشاد فرمایا کہ یہ سب میری ذاتی توجیحات ہیں اور میں نئے طبقات دشمن آئیڈیالوجیز کے زیر اثر آگیا ہوں اور یہ سب اخلاقی اور انسانی! مسائل ہیں نہ کہ طبقاتی اور معاشی۔

اس سلسلے میں انہوں نے بہت سی "آیتیں" بہت سی روایات، بہت سے تاریخی حوالے اور بڑے علمی مباحث و منطقی استدلال میرے سامنے رکھے اور میں نے ایک لفظ نہیں کہا، صرف ان کے مفصل اور متدل گفتگو کے آخر میں عرض کیا: "جناب ڈاکٹر صاحب، حضور کی مہینے میں کتنی آمدنی ہے"۔

بس یہ کہنا تھا کہ وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا! ساتھ آئے ہوئے دوست نے ہنس کر کہا، متفرقہ آمدنیوں کے ساتھ تقریباً تیس ہزار تومان بنتے ہیں۔

میں نے کہا: جی، آپ صحیح فرماتے ہیں!

۱۳۴۔ حضرت عثمان کی بیوی۔

۱۳۵۔ حضرت ابوذر رحمتہ اللہ علیہ کا قول۔

۱۳۶۔ کسریٰ ساسانی بادشاہوں کا لقب اور خسرو کا معرب ہے اور قیصر، سیزر کا معرب اور رومی شہنشاہوں کا لقب ہے۔ یہ اسلامی امامت یا خلافت کے نظام کے مقابل مشرق و مغرب کی دو حکومتوں اور دو سلطنتی نظاموں کا مظہر ہے۔
حضرت عثمان وہ پہلے اسلامی حکمران ہیں کہ جنہوں نے کسرائی اور قیصری

طرز حکومت کے مظاہر کو اسلامی خلافت میں جاگزیں کیا- ایک باضابطہ اور معین وزیر رکھا (مروان حکم)، حکومت میں ایک سرکاری مذہبی عالم کی جگہ معین کی (کعب الاحبار)' ایک معین اور خاص حاشیہ نشیں افراد اپنے لئے متعین کئے' درباری مماثلت والا سرکاری نظام قائم کیا (جس کی تکمیل معاویہ نے کی)-

اپنی حفاظت کے لئے مخصوص گارڈ متعین کئے (جبکہ حضرت عمر کی منزل میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا)' اور نیز یہ وہ شخصیت ہیں کہ جنہوں نے سیاسی قید خانہ بنایا اور نیز وہ پہلے حکمران ہیں کہ جو مخالفین کی اجتماعی تنقیدوں اور سیاسی اختلافات کی بنیاد پر پکڑ دھکڑ' جلاوطنی اور حتیٰ تشدد کا راستہ اختیار کیا' اور وہ پہلے آدمی ہیں کہ جنہوں نے سیاسی عہدوں کو اپنے بھائی بندوں اور خاندان والوں کے حوالے کیا اور وہ پہلے آدمی ہیں کہ جس نے بیت المال سے لوگوں کے سرکاری وظیفہ کو سیاسی مخالفت کے سبب منقطع کیا' اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عمومی بیت المال کو فردی مصلحتوں ناجائز نذرانوں اور نیز اپنے کنبہ کے اشرافی مخارج کے لئے قرار دیا اور مختصر یہ کہ وہ پہلے آدمی ہیں کہ جنہوں نے بہت سے نئے کام کئے اور بہت سے ان جیسے امور کو اسلامی حکومت میں ابداع کیا اور منصفی دیکھئے کہ ان کو "خلفاء راشدین" میں لیا جاتا ہے اور امام حسنؑ کو نہیں!

۱۳۷- بادشاہوں سے مخصوص الٰہی نور-

۱۳۸- جاہلیت' عصر "اشرافیت" اور اصل' نسل' خاندان اور اصالت شجرہ ہے' عرب عجم سے اور قریش دیگر عرب قبائل سے شریف تر ہیں-

سقیفہ میں بھی کہ جہاں انصار یعنی مدینے کے لوگ اپنے اندر سے خلیفہ' رسول

کے انتخاب کے لئے جمع ہوئے تھے (اور چاہتے تھے کہ سعد بن عبادہ کو منتخب کریں) حضرت ابوبکر نے استدلال کیا کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے:

"الائمۃ من قریش" (یہ حدیث اس جملے کے ابتدائی حصے کے ساتھ جس میں جناب رسالت مآب ﷺ اہل تشیع کے ۱۲ اماموں کے نام لیتے ہیں۔ شیعی متون میں اور بعض غیر شیعی حوالوں سے بھی آیا ہے لیکن اس عنوان سے نہیں کہ انتخاب کا معیار قرشی ہونا ہو) اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام میں سیاسی رہبر کا انتخاب قبیلہ قریش سے ہونا چاہئے۔ یعنی خلیفہ 'لوگوں کی رائے اور ان کے مشوروں سے منتخب ہوتا ہے مگر لوگ اس بات پر مجبور ہیں کہ وہ قرشیوں میں سے کسی قرشی کو رائے دیں! اور انصار کی اکثریت بھی مطمئن ہوگی اور انہوں نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔ اس لئے کہ ان کے کنڈیڈیٹ یا امیدوار --- سعد بن عبادہ --- مدنی تھے اور ان کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور خلافت پر منتخب ہونے کے لئے ان کا اشکال یہی ان کا قرشی نہ ہونا تھا ورنہ اکثریت آراء (اجماع) ان کے حق میں تھا۔ اس لئے کہ مدینہ میں قریش وہی مہاجرین تھے جو مکہ سے آئے تھے اور ان کی ایک محدود اقلیت تھی اور سعد شہر کے تمام لوگوں اور اوس اور خزرج کے دونوں قبیلوں کی آراء کے حامل تھے۔ لیکن بزرگی نسل کے فقدان کے سبب خلافت سے محروم ہوگئے' اس بناء پر "بیعت' شورای اور اجماع" کی ڈیموکریسی --- اس نقطہ نظر سے --- "اشرافی ڈیموکریسی" ہے' یعنی "اریسٹوکریٹک ڈیموکریسی! اور سب جانتے ہیں کہ ڈیموکریسی' اریسٹوکریسی کی ضد اور اریسٹوکریسی اسلام کی ضد ہے اور باقی دوسرے سنی یا شیعہ یا اس طرح کے اور فرقے ہر عنوان' ہر توجیہ اور ہر زبان میں' اس انسانی منشاء' اس وحدت عنصر اور اس اصالت تقوای کے ساتھ کہ جن پر اسلام کا

تکیہ ہے سازگار نہیں ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں کہتا ہوں کہ امامت اور خلافت پر علی کا انتصاب اس طرح جس طرح کہ عام شیعہ ذہنوں میں منعکس ہے، علوی تشیع کی منطق نہیں ہے، امامت کا معیار نسب نہیں، رشتہ داری اور نسلی سیادت نہیں بلکہ انسانی اقدار اور امام کی ذاتی فضیلتیں ہیں، یعنی علیؑ امام ہیں اس لئے نہیں کہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کے چچا کے بیٹے ہیں، جناب سیدہؑ کے شوہر ہیں، بنی ہاشم سے ہیں یا بہ ایں سبب کہ وہ خدا یا رسول خدا ﷺ کی طرف سے منصوب ہیں بلکہ صرف اس لئے ہیں کہ وہ "علیؑ" ہیں۔ وصایت پیغمبر ﷺ معلول امامتِ علیؑ ہے اس کی علت نہیں علوی تشیع میں امامت پر میری ساری گفتگو یہی رہی ہے، اور میں اس سلسلے میں مخصوص گروہ کی تکفیر، ان کی سازشوں، ان کے شور شرابوں، انکی گالم گلوچوں، ان کی تہمتوں اور بھڑکائے ہوئے عوام کے زیر اثر اس عقیدے سے نہیں پھرتا، ہر چند کہ لوگ اس سبب سے کہ اس کا فہم، کم فہم عوام کے لئے دشوار ہے اسکی تحریف کریں اور مجھ پر امامت اور تشیع کی نسبت بد اعتقادی کا الزام دہریں۔ اگر تشیع اس طرح ہے جس طرح کہ وہ کہتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں تو میں--- نہ صرف یہ کہ اپنی بات سے گریز نہیں کرتا بلکہ اس عشق اور اس مودت کی خاطر جو مجھے اس خاندان سے ہے، اس ایمان کے ساتھ جو مجھے حسینؑ کی نسبت ہے، اس عجیب ارادت کے ساتھ جو مجھے جناب سیدہؑ سے ہے اور اس وصف ناپذیر احساس کے ساتھ جو مجھے علیؑ کی نسبت ہے--- اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی پوری زندگی داؤ پر لگا کر اس سے ٹکر لوں اور ایسا قدم اٹھانا "اموی معاشرے" میں ہر "علوی انسان" کی ذمہ داری ہے۔ ہر چند کہ اس پر شیعی نام دھر اگیا ہو! (ملاحظہ فرمایئے: "شہادت"۔ "مکتب سجاد"۔ "انتظار، مذہب اعتراض"۔ "جامعہ شناسی امت و

امامت"۔ ارشاد میں منعقد ہونیوالی چار کانفرنسیں۔ "فاطمہ فاطمہ است"۔ "مسئولیت شیعہ بودن"۔ "آری اینچنین بود برادر" (جس کا ترجمہ اردو میں "ہاں دوست ایسا ہی تھا" کے نام سے آیا ہے۔)۔ علی حقیقتی بر گونہ اساطیر (اردو ترجمہ: علی ایک دیو مالائی سچ)۔ دانشکدہ ادبیات مشہد میں "اسلام شناسی" کے دروس: "سقیفہ کا تاریخی تجزیہ"۔

۱۳۹- "رب المستضعفین" کا ترجمہ' جو ہمیشہ جناب ابوذر رحمتہ اللہ علیہ کی زبان پر تھا (دیکھئے: "نقطہ آغاز کہاں سے ہو" کا حاشیہ)

۱۴۰- ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلہم ائمۃ ونجعلہم الوارثین۔

اور ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ان لوگوں کو جنہیں روئے زمین پر کمزور بنادیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں (لوگوں کا) پیشوا اور (زمین کا) مالک بنائیں۔

۱۴۱- اسلام کی گود میں پلنے والے سارے سچے پیشوا "اسلامی خلافت" کے ہاتھوں اور "اسلامی علماء" کے فتوؤں سے پس دیوار زنداں شہید ہوئے' گھروں میں زہر خورانی سے مارے گئے یا پھر داخلی تنازعات میں جاں بحق ہوئے۔ ابتداء ابوذر رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی اور علیؑ اس کے مظہر ہیں! اور خاص طور پر بنی امیہ کے آغاز اور اس کے بعد کے زمانے سے سارے شہروں اور سارے ملکوں میں ہولناک انداز میں قتل عام کا بازار گرم ہوا اور اس کا نام جہاد فی سبیل اللہ رکھا گیا اور اس کا شعار قرآن کی پیشرفت ہوا!

صرف مختار کو لیجئے تو وہ کئی بار فتح ہوا اور کئی بار قتل عام کے عذاب سے گزرا!

اور اسپین میں ان مجاہدانِ فی سبیل اللہ اور حاملانِ پیامِ وحی نے کفر کی سرزمین پر مجاہدوں کے ذائقہ کی تجدید کے لئے "بیت الابکار" "دوشیزاؤں کا گھر" یا جاہلیت کے شکار اقوام کی بیٹیوں کا اڈہ بنایا۔

۱۴۲۔ خندق میں جب علیؑ نے قریش کے نامور پہلوان عمرو بن عبدود کا کام تمام کیا اور جنگ کی سرنوشت بدل دی اور مدینہ کو قبائل عرب کے ۱۲ ہزار سپاہیوں کے محاصرے سے باہر نکالا جن میں یہودیوں کی شرکت بھی تھی اور اس شہر کو قطعی نابودی سے نجات ملی تو جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

ضربة علیؑ یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین

(خندق میں علی کی ایک ضربت جن وانس کی ساری عبادتوں سے برتر ہے)

ہاں، اس لئے کہ عبادت فرد کو نجات دے سکتی ہے اور جہاد، اجتماع کو۔

۱۴۳۔ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک حاکم کی طرف سے جاری ہونے والے حکم کے مطابق، ساری مسجدوں میں بعد نماز، جناب امیرؑ پر لعن کیا جاتا تھا، آہستہ آہستہ یہ عمل بہت سے ناواقف مسلمانوں کا ایک عبادی رسم ہو گیا تھا جو نہ سیاست سے واقف تھے اور نہ تاریخ سے، اور وہی کچھ کرتے تھے جو دیندار لوگوں، مسجدوں، اور مذہبی محفلوں کا معمول تھا اور ان امور میں چون و چرا کو ایمان کے خلاف سمجھتے تھے!

۱۴۴۔ ابوذر رحمتہ اللہ علیہ نے معاشی برابری اور اس طبقاتی استثمار (استعمار کی ایک قسم) اور نئے سرمایہ دارانہ نظام سے جنگ کے لئے جو حضرت عثمان کے زمانے

میں زندہ ہو گیا تھا اور جسنے ایک نئے طبقے کو جنم دیا تھا' قیام کیا اور "کنز" (سرمایہ داری) کی آیت کو اپنا شعار بنایا۔ حضرت عثمان نے خوف سے اسے معاویہ کے پاس اور معاویہ نے اسے پھر حضرت عثمان کے پاس بھیجا تاکہ دھمکی' لالچ' وظیفہ کے انقطاع' بھوک' سختی اور خطرات شاید اسے رام کر دیں مگر ایسا نہ ہو سکا اور بالآخر اسے مدینہ کے جنوب میں واقع ربذہ نامی ایک صحرا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ وہیں اکیلا' بھوک کی شدت سے جاں بحق ہو گیا اور وہی سب ہوا جو جناب رسالت ماب ﷺ اس کے حق میں کہہ گئے تھے کہ :

خدا ابوذر کو اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے کہ وہ تنہا کوچ کرے گا' تنہا سدھارے گا' اور تنہا اٹھایا جائے گا!

۱۴۵۔ حجر' کہ جو جناب رسالت مآب ﷺ کے زمانے میں ایک بھرپور نوجوان اور حضرت علیؑ کے زمانے میں ایک مجاہد تھا' امام حسن کی صلح کے بعد اس نے کوفہ میں ایک مقاومتی تحریک کا آغاز کیا' یہاں تک کہ معاویہ کے حکم پر اسے متہم کیا گیا بلکہ شہر کے سماجی اور مذہبی شخصیتوں سے اس کے خلاف ایک طومار باندھا گیا کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی ہے' اسلام کے ربقہ (رسی) کو اپنی گردن سے نکال پھینکا ہے' مسلمانوں کے اتحاد میں خلل ڈالا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ آخرکار اس فتویٰ پر عمل درآمد کے لئے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو دمشق لایا گیا اور عجیب طرح کی جھوٹی بندشوں کے ساتھ انہیں موت کی سزا سنائی گئی اور ان کی نجات کی شرط یہ رکھی کہ وہ علیؑ کو برا بھلا کہیں اور ان سے اظہار بیزاری کریں جو انہوں نے نہیں کی' چنانچہ پائیتخت کے قریب مرج العذرا کے مقام پر

ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔

۱۴۶۔ تاریخ اسلام میں معاویہ' سیاسی مخالفین کی پوشیدہ اور پر اسرار اموات کا بانی تھا۔ امام حسنؑ کی بیوی کو اسی نے اس بات پر اکسایا تھا کہ وہ آپ کو شہد میں زہر ملا کر دے۔

جن افراد کا کھلے عام قتل حکومت کے لئے مناسب نہیں تھا ان افراد کے بزدلانہ اور گھنیانہ قتل کو اس نے شہد کے حوالے کیا تھا (اور بنی عباس بھی معاویہ کے اس ابتکار سے بہت استفادہ کرتے تھے اور اپنے مخالفین کو رات کی تاریکی میں قتل کر کے صبح کو ننگے پیر اسکے جنازے میں شریک ہوتے تھے!) اور اس طرح کی موت' قاتل کے لئے بڑی شیریں تھی اور اسی لئے معاویہ کہتا تھا:

"ان اللہ جنوداً من العسل" (خداوند عالم ایسے سپاہی رکھتا ہے جن کی جنس شہد ہے)۔

۱۴۷۔ بلال' جناب رسالت مآب ﷺ کے انتہائی محبوب موذن تھے۔اس سیاہ فام افریقی غلام کا تعلق ان ابتدائی لوگوں سے تھا جو آپ کے گرویدہ ہوئے تھے اور اسی جرم میں اس نے اپنے آقا امیہ بن خلف کے ہولناک عذاب کو انتہائی صبر و تحمل سے جھیلا' اور تشدد کے تکرار کے دوران جس لفظ کو وہ بار بار اپنی زبان پر لا رہا تھا "احد تھا" اور یہ لفظ ان مشرکین کے آگے بڑا معنی خیز تھا جو اس کو توحید سے بیزاری کے لئے عذاب کے عمل سے گزار رہے تھے۔ وہ جو پُر خلوص اور مہربان روح کا مظہر تھا انتہائی خوبصورت آواز کا مالک بھی تھا اور باوجود اس کے کہ اس کا لہجہ' حبشی تھا اور اس کی "قرأت اچھی نہیں تھی وہ جناب رسالت

مآب ﷺ کا موذن، یعنی سدائے اسلام تھا۔ اسلام اور رسول خدا اسے اور اس کی اذان کو بے حد پسند کرتے تھے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی نسبت بلال کی محبت ان بیس برسوں سے زیادہ کے طویل عرصے میں بڑی عمیق خصوصیت اور لطافت کی حامل ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ وہ مسلسل ان کے ساتھ تھے اور مدینہ کے اندر دن میں کئی بار ان کی نماز کی اقامت کا اعلان کرتے تھے' وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے قریبی محرم اور ان کے خاص قاصد ہو گئے تھے' لوگ ان کی آواز میں رسول خدا ﷺ کو پاتے تھے' اور یہی وجہ تھی کہ جونہی جناب رسالت مآب ﷺ کی رحلت عمل میں آئی انہوں نے محسوس کیا کہ اب مدینہ ان کے لئے رہنے کے قابل نہیں رہا' چنانچہ انہوں نے شام کا سفر اختیار کیا اور وہاں ایک کونا پکڑ کر خاموش بیٹھ گئے۔

ایک دفعہ حضرت عمر شام گئے اور ان سے چاہا کہ وہ پیغمبر ﷺ کی حیات کے دنوں کی یاد تازہ کرنے کے لئے اذان کہیں' چنانچہ وہ اذان دینے کھڑے ہو گئے اور جونہی "اشہد اَنّ محمداً" تک پہنچے خاموش ہو گئے' اور یہ بلال کی آخری اذان تھی۔

۱۴۸۔ رسول کے بڑے صحابی عبداللہ بن مسعود نے جب جناب ابوذر رحمتہ اللہ علیہ کی جلاوطنی کی خبر سنی وہ چیخ مار کر روئے اور کنایتاً اس آیت کی تلاوت کی :

ثم انتم ہولاء تقتلون انفسکم و تخرجون فریقاً منکم من دیارہم (بقرہ ۸۵)

پس تم لوگ وہ جماعت ہو کہ جو اپنے افراد کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی گروہ کے لوگوں کو ان کے گھروں سے باہر نکال دیتے ہو۔

حضرت عثمان نے رسول کے اس عظیم اور بر جستہ صحابی کو بلوایا اور بہت برا بھلا کہا اور پھر اس کے حبشی غلام نے اس بزرگ صحابی کو اٹھایا اور مسجد سے باہر لا کر اس وحشیانہ طریقہ سے زمین پر دے مارا کہ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور کچھ دن بعد انہوں نے قضا کی۔

۱۴۹۔ تابعین، اسلام کی دوسری نسل ہیں، یہ وہ نسل ہے کہ جو زمانی اعتبار سے پہلی نسل یعنی اصحاب کی تابع ہے۔ اسی طرح تبع تابعین، اسلام کی تیسری نسل ہے جو دوسری نسل کے بعد آئی ہے۔

۱۵۰۔ سابقون، اسلام میں پہلے داخل ہونے والے لوگ ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے مرتب کردہ وظائف کی فہرست میں ان کا خاص خیال رکھا ہے۔

۱۵۱۔ حافظ کی تعبیر:

پارِ دُمش دراز باد آن حیوان خوش علف

۱۵۲۔ حضرت عثمان کے بارے میں جناب امیر کی تعبیر: نافجاً حضنیه بین نثیله ومعتلفه --- (بسیار خوری) سے پیٹ پھلائے سر گیں اور چارے کے درمیان (کھڑا ہوا) (خطبہ شقشقیہ۔ مفتی جعفر حسین کا ترجمہ، صفحہ ۱۰۲)

۱۵۳۔ خلیفہ ہارون رشید نے اپنے دورِ خلافت میں اپنا نظام عمل یہ بنا رکھا تھا کہ ایک سال حج کو جاتا تھا اور دوسرے سال جہاد کے لئے نکلتا تھا۔

ان لوگوں نے عوام کو کتنی اچھی طرح سمجھا اور مذہب سے کتنا اچھا فائدہ اٹھایا! ہزار داستان کا ہیرو ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کے کام سے غافل نہیں!

۱۵۴- اللہ کے گھر کعبہ کو خدا، لوگوں کا گھر کہتا ہے: "ان اول بیت وضع للناس ببکته"......

۱۵۵- حنیف، یعنی ثابت، مستقیم، بر حق اور خصوصی طور پر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو باطل سے حق کی طرف آتا ہے، اور اس کے بر خلاف جنیف ہے کہ جو حق سے باطل کی طرف جاتا ہے۔ دینِ حنیف، ابراہیم کے دین کو کہا جاتا ہے اور حنفاء، عرب جاہلیت میں وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے ابراہیم کا دین اختیار کیا تھا اور اسلام بھی خود کو دینِ ابراہیم، اور دینِ ابراہیم کو نیز اسلام سمجھتا ہے، لفظ حنیف کو ایک صفت کے عنوان سے اپنے لئے استعمال کرتا ہے: (پیغمبر ﷺ سے خطاب) فاقم وجهك للدين حنيفاً......۔

۱۵۶- یہ مناسک، امام حسینؑ کے چلے جانے کے بعد ان کے بغیر ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، جب حق و باطل کے میدان میں تمہاری شرکت نہیں ہے تو پھر جہاں چاہو رہو، چاہے نماز پڑھو یا شراب پیو کچھ فرق نہیں پڑتا، جب امامِ حسینؑ، حج کی سنت کو ناتمام چھوڑ کر باہر نکلے تو جن لوگوں نے اپنا طواف جاری رکھا اور امام حسینؑ کا ساتھ نہیں دیا وہ ان لوگوں سے مختلف نہیں ہیں جو معاویہ کے سبز محل کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ تمہیں خود چاہئے کہ تم اپنی تکلیف معلوم کرو کہ تمہیں وہیں رہنا ہے یا باہر آنا ہے۔

۱۵۷- عرفات، مکہ سے ۲۰ کلو میٹر سے زیادہ فاصلہ پر ایک وادی نما جگہ ہے۔ یہ مراسمِ حج میں مکہ سے دور ترین مقام ہے، یہاں حاجیوں کو نویں دن کی شام تک

رہنا پڑتا ہے' وجہ تسمیہ عرفات' مذہبی قصوں میں یہ ہے کہ آدم و حوا نے جنت سے اپنے ھبوط کے بعد اس مقام پر ایک دوسرے کو پایا' عرفات اور مشعر و منیٰ میں دیکھنے والی کوئی خاص چیز نہیں ہے بلکہ یہاں کے لئے کوئی خاص اعمال و احکام بھی نہیں ہیں۔ ان دونوں منزلوں پر صرف وقوف شرط ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان مراسم اور ان منازل کے فلسفہ کو ہمیں نہ تو اس کے اعمال و احکام میں ڈھونڈنا چاہئے اور نہ ہی اس کی مذہبی یا تاریخی یا جغرافیائی خصوصیات میں' بلکہ اس "حرکت" و "وقوف" کے اصل و نفس کو ان تین "مرحلوں" کی خصوصیت اور ان کے تعاقب و توالی میں دیکھنا چاہئے: پہلے عرفات' پھر مشعر اور اس کے بعد منیٰ۔

ان تینوں ناموں پر تأمل بھی اس معمے کو حل کرنے میں ہمیں مدد دیتا ہے' اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ یہ تینوں نام' اسم مکان نہیں ہیں' بلکہ ایک تکاملی ہجرت اور ایک حرکت کے تین مرتبے' تین مرحلے اور تین وقوف ہیں۔

عرفہ یا عرفات: "شناخت" مشعر: سرزمینِ "شعور"' منیٰ: "عشق" یا "کمال مطلوب"

ہم پہلے علم' آگاہی' اور شناخت سے شروع کرتے ہیں اور پھر اس سے بلند تر مرحلے' یعنی فہم یا شعور تک پہنچتے ہیں اور اب ہم سرزمین عشق کے پہلو بہ پہلو منزلِ شعور میں--- شناخت کے بعد والے شعور میں--- کمال انسانی کی بلند ترین چوٹی تک پہنچنے کی شائستگی حاصل کرتے ہیں۔ آفتاب عشق (دسویں کی صبح' عید قربان) کے طلوع کے ساتھ ہی' ہم دانش' بینائی اور شعور سے لیس ہو کر منیٰ میں قدم

رکھتے ہیں: عشق بھی ہے اور شیطان بھی' خون بھی ہے اور عید بھی' اسماعیل کی قربانی بھی ہے کامیابی کا جشن بھی! اسی راہ سے اور اسی اسلحہ کے ساتھ جسے ہم نے سر زمین شعور میں اکٹھا کیا ہوا ہے (سنگریزوں کو مشعر میں اکٹھا کیا جاتا ہے یعنی علم و شعور کے لوازم کے ساتھ' قبل از وقت محاذ جنگ کے پسِ پشت' یعنی نہ خالی ہاتھ میدان میں قدم رکھنا' نہ عاجز ہونا اور نہ سنگستان اور ظلمتِ شب میں طاقت اور اسلحے کی جمع آوری کی دشواری کو بہانہ بنانا اور مشعر میں ذکر کے ساتھ خواب سے نہ اٹھنا اور زمانے کے ساتھ حرکت نہ کرنا) دسویں دن کے طلوعِ سحر کے ساتھ درۂ منیٰ سے منیٰ میں داخل ہونا' (حرکت وقت کے ساتھ ہے) اور پھر منیٰ میں پہلے بت کو چھوڑنا' دوسرے بت سے بھی گزر جانا! اور تیسرے کو سنگسار کرنا! یعنی پہلے حملے کے آغاز ہی میں آخری کو کچلو' پہلے' آخری کو حملے کی زد پر لاؤ جب تم اس کو کچلو گے تو پھر قربانی کر سکتے ہو' سر منڈھا سکتے ہو' احرام سے باہر آسکتے ہو' اور آزاد ہو کر کامیابی کا جشن منا سکتے ہو۔

یہ آخری بت کون ہے؟ کیا ہے؟ فرعون؟ قارون؟ یا بلعم باعورا؟

وہ لوگ کہ جو زور کو قوم کی بدنصیبی کا اصلی سبب سمجھتے ہیں کہتے ہیں فرعون' جو زر کو اس کا اصلی سبب سمجھتے ہیں کہتے قارون' اور جو جہل سے اسے منسوب کرتے ہیں وہ کہتے بلعم باعور' در حقیقت اس فیصلے کا تعلق اس بات سے ہے کہ ہر روشن خیال کا معاشرے کے ساتھ تعلق خاطر کیا ہے' سیاسی مبارزین اور حریت طلب لوگ' استبداد کو اس کی علتُ العلل سمجھتے ہیں' وہ روشن خیال حضرات جو زیادہ تر سماجیاتی اور آئیڈیالوجیکی مسائل پر سوچتے ہیں طبقاتی استثمار (استعمار کی ایک قسم) کو اس کا سبب گردانتے ہیں اور وہ مفکرین جو لوگوں کے جہل سے مشکل

میں ہیں فکری انحطاطی عوامل، ذہنی تخدیر و انحراف، صلب بینائی اور لوگوں کے احساس و آگاہی کو ناکارہ بنانے کے عمل کو ساری پریشانیوں کی علت العلل سمجھتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ طاقتیں جو دین یا آرٹ، یا فلسفے اور ادب کے نام سے معاشرے کو اس طرح منجمد اور ویران کرتی ہیں کہ وہ درد، فقر، حتیٰ بھوک اور تازیانوں کا بھی احساس نہیں کرتے بلکہ اس پر شکر بھی کرتے ہیں، دراصل یہی عوام کی ذلت واسارت کے عمود خیمے کو قائم رکھتی ہیں، یہ وہ بلعم باعورا ہے کہ جس کا ایک ہاتھ فرعون کے ہاتھ میں ہے، دوسرا قارون کے ہاتھ میں!

لیکن میں، تیسرے طبقے کے نظریئے کی طرف متمایل ہوں، صرف اس لئے نہیں کہ زیادہ تر میری مشغولیت فکری اور مذہبی مسائل سے ہے اور میں لوگوں کے ذہنی انحراف، اعتقادی خرافات، اور ان کے جہل و تعصب کے المیہ کو محسوس کر رہا ہوں، بلکہ میں نے ہمیشہ اور ہر جگہ دیکھا ہے کہ عوام الناس کا جہل کیا مصیبتیں کھڑی کرتا ہے اور کس طرح، ایک منجمد معاشرے میں ہر موج اور ہر حرکت محو ہو جاتی ہے، ہر قائم، تنہا رہ جاتا ہے اور دشمن کتنی آسانی سے قوم کے مایۂ ناز افراد کا گلا گھونٹ دیتا ہے اور اس کی گردن پر دوست کے ہاتھوں کے نشان ہوتے ہیں، بلکہ دوسرے رخ سے میں نے دیکھا ہے کہ آگاہی، کسی فکری تحریک میں کیا معجزہ دکھاتی ہے اور کس طرح کسی معاشرے کی ''قلبِ ماہیت'' کرتی ہے، اس کی ماہیت کو بدل دیتی ہے! اور کس تیزی سے اس کی تعمیر و بنیاد کو نیست و نابود کرتی ہے اور کس طرح کسی طاقتور فکری تحریک اور موجیں مارتے ہوئے سیلاب کو ایمان کی گرمی دیتی ہے اور اسے آگے بڑھاتی ہے۔ بنیادی طور پر قرآن بھی یہی کچھ کہہ رہا ہے جو میں کہہ رہا ہوں، جب وہ بددیانت علماء اور مردم فریب روحانی پیشواؤں کی بات کرتا ہے تو اس

کا لہجہ بدل جاتا ہے اور اس غصے کے ساتھ انہیں دشنام دیتا ہے کہ جو استثنائی ہے اور ہم موسیٰ کو دیکھتے ہیں کہ وہ فرعون کے ساتھ تنازعہ میں پہلے ساحروں پر ضرب لگاتے ہیں' اور اس دور کے مصریوں کے مذہب میں' ساحر لوگ قوم کے باضابطہ روحانی پیشوا ہوا کرتے تھے' آج کی سوچ کی طرح دین سے دور اور علماء کے طبقے سے الگ جادوگر نہیں ہوتے تھے! وہاں جادوگری کا شمار بنیادی ترین دینی مراسم میں ہوتا تھا- جیسا کہ آج بھی ہندوازم' زرتشت سے پہلے کے قدیم ایران کی مہر پرستی اور چین کی تھائی ازم کے آئین اور بدوی افریقہ اور موجودہ آسٹریلوی مذاہب میں ہے-

اس کے علاوہ' جیسا کہ میں نے اسلام شناسی میں فلسفہ تاریخ کو پیش کرتے ہوئے کہا ہے اور ہابیل و قابیل کے نظریہ میں عرض کیا ہے کہ میں تاریخ اسلام میں سارے بشری انحرافات کے پہلے عامل اور علت العلل کو فردی مالکیت یا قابیلی نظام (دور کاشتکاری) کا ظہور سمجھتا ہوں اور طبقاتی نظام کو اس کا ڈھانچہ قرار دیتا ہوں-

مگر اس طرح نہیں جس طرح کہ مارکس کا نظریہ ہے کہ جس میں اس نے فردی مالکیت کے نظام' پیداواری نظام' اور حقوقی نظام کو ملا کر ایک کر دیا ہے' جب کہ سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیردارانہ نظام میں صورت اور پیداواری کیفیت کا فرق ہے اور اس کے علاوہ اور دوسری باتیں ہیں' لیکن میں قابیلی نظام کی کامیابی اور ہابیلی نظام کی موت کو تاریخ کی خمیدگی یا ٹیڑھ پن کی علت العلل سمجھتا ہوں اور بنیاد کے عنوان سے ان دو نظاموں کے علاوہ کوئی اور معیار میرے لئے قابل فہم نہیں ہے-

دوسری طرف سے جس طرح کہ میں نے "امت اور امامت کی سماجیات" میں عرض کیا ہے مجھے اصل رہبری پر اس طرح یقین ہے کہ میں شیعوں کے اس

ظاہراً افراطی عقیدے کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہر عمل اور ہر عقیدے کی قبولیت اصل ولایت یا امامت پر موقوف ہے'۔ "قبولیت" سے میری مراد "منزلت" اور "امامت" سے مراد "درستی رہبری" کی کلی اصل ہے۔ جس طرح کہ میں ڈیموکریسی اور لیبرل ازم کو بھی' قبل ازیں کہ وہ اپنے انقلابی تعمیر کے مرحلے (وصایت وامامت) سے گزرے ایک فریب یا فاحشہ عورت کے چہرے پر ایک حجاب عصمت یا ایسا شہر سمجھتا ہوں کہ جس پر باہر کے پھاڑ کھانے والے بھیڑیئے اور اندر کی چالاک لومڑیاں حملہ آور ہیں اور گھریلو چوہے منطق' موعظے اور "معقول باتوں" سے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔

پس محاذ کی پشت (جمرہ عقبہ) پر وہ آخری شیطان--- کہ پہلے اور دوسرے شیطان کو چھوڑ کر' پہلے آتے ہی اس پر حملہ ضروری ہے--- کون ہے؟ کونسا ہے؟

شاید اس نظریہ میں آپ نے میرے تناقص کو محسوس کرلیا ہو کہ اس صورت میں' میں تین متناقض نظریوں کا معتقد ہوں! یعنی اس بات کا معتقد ہوں کہ اس کلاس میں تینوں افراد کی پہلی پوزیشن ہے! علت العلل ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ پھر کس طرح یہاں سے تینوں علت العلل ہیں۔

میرا جواب' یعنی میرا واقعی عقیدہ بالکل وہی ہے جسے آپ صحیح طور پر تناقض سمجھ رہے ہیں اور یہ تناقض صرف اسی وقت آپ کے لئے حل ہوگا جب آپ "تثلیث" کے باب میں میرے سماجیاتی تجزیئے پر توجہ دیں اور وہ "تینوں ایک ہیں' ایک تین ہے' اور یہ تینوں باوجود اس کے کہ ایک دوسرے سے الگ تین ذوات ہیں ایک ہے اور باوجود اس کے کہ ایک واحد ذات ہے تین ہیں"..... کی اصل ہے!

اس بناء پر آپ ان تینوں بتوں میں سے کسی بت کو نہیں دیکھیں گے کہ وہ دوسرے دو بتوں سے مختلف ہو' منٰی میں' تین جمرے ہیں' ہر ایک جدا' نمایاں اور دوسرے دو جمروں سے فاصلہ لئے ہوئے' لیکن تینوں شیطان ہیں اور شیطان ایک ہے- جب میں نے پہلی بار منٰی میں ان تین شیطانوں کو دیکھا تو مجھے دیکھ کر حیرت ہوئی کہ یہ' سماجیات اور فلسفہ تاریخ میں میرے نظریہ تثلیث سے کتنی مطابقت رکھتے ہیں! کہ ایک قابیل ہے کہ جو تکامل پاتا ہے اور تین مستقل اور الگ الگ چہروں میں نمایاں ہوتا ہے- یہاں میں نے گویا اپنے علمی نظریہ کے عینی تجسم کا مشاہدہ کیا اور اس دریافت نے مجھے اپنے نظریہ کی صحت کے اعتقاد کو تقویت دی اور میں نے محسوس کیا کہ بے شک یہ تینوں جمرے وہی قابیلی تین چہرے ہیں- اور اب ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کونسا چہرہ گھناؤنی مثلث کے کس گوشے کو ظاہر کرتا ہے- یہاں میرا ذہن زیادہ تر بلعم باعورا کی طرف جارہا ہے کہ جس کے ہاتھوں میرا دل خون ہے اور میں اس کے دو ساتھیوں کی نسبت اس سے زیادہ دکھ جھیل رہا ہوں' جو کچھ بھی تکلیف پہنچ رہی ہے وہ اسی کے ہاتھ سے ہے' اس لئے کہ فرعون نے حسین بن علیؑ کے تن اطہر کو اتنی تکلیف پہنچائی کہ جناب زینبؑ نے انہیں پہلی نگاہ میں نہیں پہچانا (أأنت اخی) اور بلعم نے حسینؑ کی روح' ان کی شخصیت' ان کے ایمان' ان کے انقلاب' ان کے مکتب' ان کے ہدف' ان کے عقیدے' ان کے مفہوم' ان کی حقیقت اور ان کے کام کو اس طرح مسخ کیا کہ اگر شمر میں آئے اور دیکھے تو نہ صرف یہ کہ انہیں نہیں پہچانے گا بلکہ وحشتِ خشم سے فریاد بلب ہوگا اور ایسی فرومایگی' ایسی تحقیر' اور ایسی جھوٹ کو برداشت نہیں کرے گا' اور بلاشبہ اس جفاکار بلعمی پر اعتراض کرے گا کہ وہ انسان کی آزادی کے

اس عظیم بطل جلیل کو اس کی پر شکوہ اور پر عظمت موت کے آخری لمحوں میں ---
اس موت کے آخری لمحہ میں کہ جو حیات اور جنگی احساسات کو روح اور دلیری بخشتا
ہے --- ایک ایسا آدمی دکھاتا ہے کہ جو یزیدی فوج کے انتہائی پست و پلید کم مرتبہ
آدمیوں کے آگے پانی مانگتا ہے اور رحم کی اپیل میں اپنے بچے کو آگے لاتا ہے تاکہ
ان کا دل پسیج جائے اور ایک گھونٹ پانی کے لئے دست سوال دراز کرتا ہے!

بلاشبہ' حسینؑ کے باب میں شمر اور حرملہ کی معرفت ان لوگوں سے زیادہ اور
سارے بنی امیہ اور بنی عباس کی بدذاتی اس نفرت انگیز بلعمی سے کمتر ہے جو
دنیائے شیعیت میں اس نجس داستان کو جو دشمن کے اہلکاروں کے ہاتھ سے آئی ہے
نقل کرتا ہے اور کہتا ہے: "ایک سال یزید پلید حج کی زیارت کے لئے آیا' وہاں اس
نے قریش کے ایک شخص کو دیکھا اور لوگوں کی بھیڑ میں کہا: "اس بات کا اقرار کرو
کہ تم میرے غلام اور میں تمہارا آقا ہوں' میں چاہوں تو ابھی تمہیں قتل کر دوں اور
چاہوں تو چھوڑ دوں"! اس عرب آدمی نے جو اس طرح کے اقرار کو اپنی خاندانی
حیثیت اور انسانی بلندی کے خلاف دیکھ رہا تھا اور جان رہا تھا کہ یزید اس کی تحقیر سے
تبلیغاتی فائدہ اٹھانا اور سارے مہاجروں کی توہین کرنا چاہتا ہے' انکار کیا اور یزید نے
وہیں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اسی دوران اس کی نظر علی بن حسین امام زین
العابدینؑ پر پڑی' اس نے آپ کے سامنے بھی یہی بات دہرائی اور ان سے بھی چاہا کہ
وہ باضابطہ طور پر لوگوں کے سامنے اس کا اعتراف کریں۔ امام نے فرمایا اگر اعتراف
نہ کروں تو میری جان خطرے میں ہے؟ یزید نے کہا: ہاں' اور پھر امام نے (نعوذ
باللہ) اعتراف کیا کہ .... اور پھر یزید نے انہیں چھوڑ دیا۔

یہ بزرگ روحانی عالم کہ جس کی اتنی شہرت ہے کہ اگر میں آپ سے بتاؤں تو

آپ کانپ جائیں گے دشمن کی اس نجس تہمت کو بیان کرنے کے بعد معقولات میں چلے جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنی فاقد عقل سے اس کی توجیہہ کریں!(ان کا شعور اس حد تک نہیں پہنچتا کہ وہ اس کا انکار کریں!) ذرا توجیہہ ملاحظہ فرمائیے!

فرماتے ہیں 'البتہ بیشتر تاریخی کتابوں سے ملتا ہے کہ یزید نے کبھی مکہ میں قدم نہیں رکھا اس لئے کہ مکہ عبداللہ بن زبیر کے اختیار میں تھا اور عبداللہ کی یزیدؔ کے ساتھ جنگ تھی اور مکہ' ان کی طاقت کا مرکز تھا' یزید کی موت کے بعد عبداللہ کی طاقت ٹوٹ جاتی ہے اور عبدالملک کے ہاتھوں مکہ کا زوال ہو جاتا ہے اور اموی اس پر قابض ہو جاتے ہیں! پھر کس طرح یزید حج کے لئے آسکتا تھا۔

مذکورہ عالم جب اس منزل پر پہنچتے ہیں تو مورخوں کے اسی دلیل قاطع پر جمنے اور اسے اس بناوٹی واقعے کے جعلی ہونے کی دلیل گردانتے کے بجائے فرماتے ہیں۔ اگرچہ علمائے تاریخ کی بات قابل اعتبار نہیں ہے! یعنی یزید کے ان پلید اہلکاروں کی بات درست ہے! بعد ازیں اپنے عالمانہ تحقیق کا مظاہرہ کرنے اور امام کے حق میں علمی اجتہاد کے مرتکب ہونے کے لئے واقعہ کی اس صورت میں تصحیح فرما کر امام کو بری کرتے ہیں کہ سب سے پہلے امام دیکھتے ہیں کہ یزید نے اس قرشی کے ساتھ کیا سلوک کیا اور پھر رسماً پوچھتے ہیں اگر اپنی بردگی کا اعتراف نہ کروں (نعوذ باللہ) تو میری جان کو خطرہ لاحق ہے؟ یزید کہتا ہے ہاں تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہے' بعد ازاں امام کی شرعی ذمہ داری--- کہ جو ہر قیمت پر حفظِ بدن سے متعلق ہے خواہ یزید کا بردہ کیوں نہ بننا پڑے وہ بھی شیعوں کا امام کہ جو خدا کی طرف سے خلق کی پیشوائی کے لئے بھیجا گیا ہے اور معصوم بھی ہے' علم غیب کا حامل بھی ہے اور عالم و آدم کی خلقت میں بھی اس کا ہاتھ ہے--- اس وجوب کو ان پر لاگو کرتی ہے کہ وہ اعتراف

کریں- تقیہ!!

یہ بلعمی عالم (کہ جو بلعم کی اولاد میں سے اور اس کے نسلی سلسلے کی ایک کڑی ہے) اب بھی امام کی علمی خدمت سے دست بردار نہیں ہوتا اور کوشش کرتا ہے کہ اس روایت پر ایک اور ضرب وارد کرے--- لیکن انتہائی ابلہانہ--- اور وہ یہ کہ فرماتے ہیں "یہ بات بعید از قیاس ہے کہ یزید حج کو آیا ہو اس لئے کہ تواریخ میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ یزید نے حج کیا ہو اس لئے کہ اسے ان کاموں سے دلچسپی نہیں تھی- اس بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ اس روایت میں صحت نہیں ہے اور وہ شخص جس نے امام سے ایسی درخواست کی اور امام نے اس کے سامنے ایسا اعتراف کیا' یزید نہیں تھا بلکہ یزید کا کوئی اہلکار یا حاکم وغیرہ تھا"! جی ہاں' فرعونی آدمی لوگوں کی گردن پر سوار ہوتا ہے' قارونی' جیبیں خالی کرتا ہے اور بلعمی' انسان کو گندیدہ کردیتا ہے' خلیفتہ اللہ کو اغنام اللہ بنا دیتا ہے' اس کو اندر سے جکڑتا ہے' اس کی روح و عقل پر ہاتھ مارتا ہے' اور اس طرح شعور سے ساقط کرتا اور مقلد پرستندہ غلام بناتا ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے اور یہ بات کسی بھی ایسے آدمی کے لئے قابل تصور نہیں جس کا ایسے لوگوں کی قربانی بننے والے افراد سے براہ راست سروکار نہ ہو- میرے ایک انتہائی دانشمند اور روشن خیال دوست نے کہ جو اہل علم سے تھا اور سچے اسلامی عالموں میں اس کا شمار ہوتا تھا مجھ سے کہا: یہ بات میں نے اپنے دوستوں سے سنی تھی مگر میرے سامنے نہیں آئی تھی- ایک دن میرے لباس کو دیکھ کر ایک خاتون میرے پاس آئی اور کہا آقا میرے لئے ایک استخارہ نکالئے' میں نے اپنی تسبیح نکالی استخارہ کے لئے تیار ہوا' اور دعا پڑھنی شروع کی' اچانک میں نے اسے کہتے ہوئے سنا کہ: مولانا صاحب' معاف کیجئے' اس کی نیت بھی آپ ہی

کر لیجئے!

اس کیفیت کے ساتھ، میرے نزدیک یہ درست نہیں کہ میں ایک مستحکم قانون کے تحت ان تینوں بتوں میں سے ہر ایک کو ان تین شیطانی طاقتوں کا الگ الگ مجسمہ قرار دوں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس ثابت حقیقت کو نظر میں رکھتے ہوئے کہ ان میں سے ہر ایک، ان دو بتوں سے الگ ہوتے ہوئے بھی ان کے ساتھ ہے اور تینوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نسبی اور سببی رشتہ داری ہے اور ہر ایک اپنے ان دو ساتھیوں کی طاقت سے کھڑا ہے اور اپنے ان دو ہم صحبتوں کی مدد سے لوگوں کی سرنوشت میں شاملِ کار ہے، تاہم ان تینوں بتوں کی سہ گانہ ترتیب، ان کے مراتب کے سلسلے اور نیز کسی فکری تنازعے یا سیاسی اور نہیں تو طبقاتی انقلاب میں ترقی پسندانہ اور داد خواہانہ طاقتوں کی نسبت ان کی مزاحمت کے تقدم و تاخر کو ہر معاشرے کی کیفیت اور اس کے زمان و مکان میں دیکھنا چاہئے۔ یہ ہر سماجی نظام کے اندر، طبقاتی گروہ بندیوں میں، فکری اور ثقافتی میدانوں میں، حساسیت اور خود آگاہی کی کیفیت میں، تاریخی مرحلے میں، عالمی عوامل اور بیرونی رابطوں میں، سیاسی اور سماجی حرکات میں، روایتی، مذہبی اور اخلاقی بافت میں اور ہر معاشرے کے معاشی، سیاسی اور اعتقادی صورتوں میں ایک خاص ترتیب سے ہیں، اب یہ روشن خیال افراد پر ہے کہ وہ ان تمام شخصیات کو زیر نظر رکھ کر دریافت کریں کہ ان کے دور اور ان کے ماحول میں جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبیٰ کون ہے؟ بلاشبہ قرون وسطیٰ کے روایتی مذہبی معاشرے یا اعتقادی سماج میں بلعم کا جمرہ عقبہ استحمار گر (استحصالی قوت کی ایک صورت) ہے۔ لیبرل اور ترقی یافتہ بورژوازی اور صنعتی سرمایہ دارانہ نظام میں قارون استثمار گر (استحصالی قوت کی دوسری

صورت) ہے اور فاشی وملیٹیر سٹی (فوجی تفوق والی) حکومتوں میں فرعون۔

۱۵۸۔ مشعرا الحرام' عرفات اور منٰی کی سرزمین کے درمیان واقع ایک تنگ درہ ہے۔ نویں دن کی شام کو عرفات میں گزار کر مشعر کا رخ کرنا پڑتا ہے اور رات یہیں ستارے بھرے آسمان کے نیچے' جوق در جوق لوگوں کی بھیڑ میں بے نظم ونور اور بلا ٹھکانے رہنا پڑتا ہے' کوئی کسی کی شناخت نہیں کر سکتا' کوئی جگہ دکھائی نہیں دیتی' ہر کوئی اکیلا ہو جاتا ہے اور یہ اپنے بارے میں غور و فکر کرنے' دنیا اور زندگی کے بارے میں سوچنے' اپنی سر گزشت' اپنی سرنوشت' اور اپنی اور دوسروں کی ذمہ داریوں کو خاطر میں لانے کا بہترین وقت ہوتا ہے' یعنی وہ باتیں جو خود غرضیوں' پستیوں' آئے دن کے جھمیلوں اور حیوانی زندگی کی حقیر بھاگ دوڑ تلے گم ہو جاتی ہیں اور زندگی ان کے بارے میں سوچنے کی مہلت نہیں دیتی۔ ایسی رات میں' ایسی سرزمین پر' اس آسمان تلے' اس حالت میں کہ جو کوئی جو کچھ ہے وہاں یکساں ہے' ہر کسی کے بدن پر احرام کے دو ٹکڑے ہیں اور بس' لوگوں کی بھیڑ میں غرق اور سیاہی شب میں گم' ذہن میں دریچے کھولتی ہیں! یہاں "میں" "ہم" میں حل' دریا میں ایک ذرہ اور میقات میں ایک خس ہوتا ہے!

یہاں ہم کس لئے آئے ہیں۔ حیرت ہے' مذہب نے یہاں اور اس رات میں کسی عمل اور کسی حکم کو واجب نہیں کیا ہے! یعنی اپنے آپ کو کسی کام میں مصروف نہ کرو یعنی کسی کام کے لئے تم یہاں نہیں آئے ہو' یہ جگہ "حکم" کی نہیں ہے' پھر کیا ہے؟ کس چیز کی جگہ ہے؟ "ذکر" کی جگہ ہے! ذکر؟ ہاں' یاد آوری' کسی چیز

کی ؟ ظاہر ہے "وہی چیز جو یاد سے دھل گئی ہے!" "جس کو زندگی کی سختیوں نے 'خود پرستیوں نے 'لذتوں نے 'ایبانہ (Amube) معمولات نے تم انسان کو گینڈا بنا دیا ہے یا "مسخ" کردیا ہے' یا بھیڑیا یا لومڑی یا چوہا یا بھیڑیا بنا کر فراموشی کی گہرائی میں تمہارے احساس وادراک سے دور کردیا ہے۔ ذکر! یعنی بیٹھو اور بیٹھ کر سوچو! اس چیز کو جسے تم نے کبھی نہیں سوچا' جسے تم کو سوچنے نہیں دیا گیا! وہ چیز جو تمہارے اندر تہہ تیغ ہو گئی ہے' جو تمہاری یاد سے مٹ گئی ہے! تمہاری انسانی صفات' تمہارا ایمان' تمہاری کرامت' تمہاری امانت' تمہاری اصالت' تمہاری خدائی اقدار' تمہاری ذمہ داریاں' تمہاری ڈھیر ساری صلاحیتیں' اور وہ فضیلتیں جو تمہارے اندر مر چکی ہیں یا ماردی گئی ہیں' ان سب کی قبروں کو اپنے باطن کے اس خاموش قبرستان کی گہرائی میں تلاش کرو' اس رات میں کہ جس میں تمہاری آنکھیں باہر کی چیزوں کو نہیں دیکھ رہی ہیں' تمہاری نگاہیں ہمیشہ کی طرح شکار کے درپے نہیں ڈول سکتی ہیں تم اپنے باطن کو دیکھو' خود کو دیکھو' خیالی صوفیانہ خود نہیں' لوگوں اور واقفیت سے دور تنہا مجرد اور زمان و جہاں سے بیگانہ خود' نہیں' تم ابھی تنہا ہو مگر لوگوں کی بھیڑ میں' گوشہ عزلت میں نہیں! ایک ایک قرابت دار کی لحد کو' خدا کے پاؤں کے نشان کو اپنی فطرت کے صحرا میں ڈھونڈو' اے وہ کہ جو عرفات سے یہاں آئے ہو' وہاں سے جو آدم و حوا کی آشنائی کی پہلی منزل ہے' وہاں سے کہ جہاں سے شناخت ابھری ہے اور آدم نے زمین پر قدم رکھا ہے اور تاریخ چل پڑی ہے تم اس کے ساتھ ہمرکاب ہوئے اور اب سرزمین شعور پر پہنچے ہو! بیٹھو اور سوچو' ستاروں کی بارش میں' آسمان وحی کے نیچے' اپنی اس آزاد تنہائی میں جہاں تم تاریکی شب اور خلقت کے عظیم دریا میں غرق ہو' اللہ کی آواز کو سنو! یہ ہجوم ہے'

لوگ ہیں' انسان ہے جس نے قرابت داری' ہمدردی اور ہم شیفتگی کے اس کڑے وقت میں سب کو ایک کر دیا ہے اور سب ہر رنگ' ہر سرحد' ہر دیوار' ہر چھت' ہر دروازے اور ہر حصار سے آزاد سمٹے ہوئے چل رہے ہیں (مزدلفہ)' اور تم کو' تم ہونے کے تم کو کچل رہے ہیں' نفی کر رہے ہیں' تمہاری خودی کو ادھیڑ رہے ہیں اور انسان اور ایمان کو فردیّت' قومیّت' طبقات' مشاغل اور گھرانوں کی بندشوں سے آزاد کر رہے ہیں' قطرے کو دریا سے ملا رہے ہیں! بیٹھو اور فکر کو مہمیز دو'! "ذکر" میں مصروف ہو جاؤ! اے تم کہ جو سینکڑوں شہداء کے ویرانے اور گھناؤنے قبرستان ہو گئے ہو' جس کے وجود میں سمائے ہوئے خدائی اقدار کے گلے پر زندگی اور زمانے کے جرائم اور نظام ہائے کفر و ظلم نے چھری پھیری ہے! اور ان کی قبروں کو بھی تمہاری یاد سے بھلا دیا ہے اور تم ان سے بالکل غافل ہو گئے ہو! بیٹھو اور سوچو! یہاں کوئی حکم نہیں' کوئی کام نہیں' اس "اطلاق" میں تمہیں تنہا چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ تم اپنے اندر کریدو' یاد سے بھلائی ہوئی قبروں کو پاؤ' اپنے شہیدوں کے جنازوں کو دیکھو' اس سرزمین شعور میں' اس سرزمین شعور کے حریم (حدود) میں اس روح حیات و عشق و ذمہ داری و ایمان کو جو اس وقت تمہارے اندر فروزاں ہے ان ابدان میں پھونکو' اپنے اندر ایک محشر بپا کرو' تمہارے اندر ایک قیامت برپا ہو' کتاب' ترازو' مقدمہ کی کارروائی اور فیصلے کا عمل جاری ہو' مشق کرو' نالش کے اس دن کے لئے کہ جس میں ملزم' مدعی اور قاضی سبھی کچھ تم خود ہو! شعور کی سرزمین پر بیٹھو اور اس رات میں' اس تنہائی میں اور اس گمگشتگی میں سوچو' یاد کرو کہ کون کون سی باتیں تمہاری یاد سے محو ہو گئی ہیں' انہیں واپس اپنی یاد میں لاؤ' ذکر! لیکن ان میں سے کچھ لوگ سو گئے ہیں اور ان کے خراٹے بلند ہیں' کچھ سونا چاہتے ہیں اور

کچھ جاگ رہے ہیں اور "ورد" میں مصروف ہیں! کاش ان کو بھی نیند آجائے اور وہ بھی سو جائیں!

۱۵۹- ذی الحج کی دسویں تاریخ کو مشعر میں وقوف ہوتا ہے اور طلوع آفتاب کے ساتھ سب کو کوچ کر کے منٰی کی وادی میں پہنچنا ہوتا ہے-

۱۶۰- منی عرفات اور مشعر کے بعد آخری منزل ہے- یہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع وہ تنگ وادی ہے کہ جس کا راستہ مکہ کی طرف جاتا ہے- یہ 'موسم حج میں حج کے بنیادی ترین اعمال کی بجا آوری کی جگہ ہے: رمی' قربانی' سر مونڈھنا اور بالاخر احرام سے باہر آکر جشن منانا- عید الاضحٰی شیطان پر ظفر یابی! اس درہ کی زمین پر جس پر اس وقت "شارع الملک المعظم الفیصل" نامی سڑک بنائی گئی ہے' یادگار کے طور پر تین ستون نصب ہیں' کہتے ہیں کہ یہ شیطان کے مظہر ہیں کہ جس نے ابراہیمؑ کے دل میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے سے متعلق خواب کو پورا کرنے کے عمل میں تین دفعہ وسوسہ ڈالا اور یہ ایک صحیح تعبیر ہے لیکن سمبلز جتنے عمیق اور معنی دار تر ہوں ان میں اتنے ہی زیادہ مفاہیم اور تعبیروں کی گنجائش ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں یہاں اسی مشہور مثلث کو دیکھتا ہوں کہ جس سے میں ہمیشہ نالاں ہوں' اسی تین چہرے والے ایک قامت کو' فرعون' قارون اور بلعم کو' استبداد' استثمار' اور استحمار کو' ملاء' مترف اور راہب کو' کہ جو بقول پادریوں کے' باوجود تین ہونے کے ایک ہے اور باوجود ایک ہونے کے تین ہے اور باوجود اس کے کہ ان میں ہر ایک' ایک مستقل اقنوم (اصل) اور ایک الگ ذات ہے' ایک سے زیادہ نہیں ہے اور باوجود اس کے کہ ایک سے

زیادہ نہیں ہے، تین الگ ذوات اور تین مستقل اقنوم ہیں...

ایک عرصے سے میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ یہ کیسا خدا ہے کہ تین بھی ہے اور ایک بھی۔ جو ایک ہونے میں تین ہے اور تین ہونے میں ایک ہے! کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ عقل میں آنے والی بات نہیں، بعد میں، میں نے دیکھا کہ ہاں، عقل میں آنے والی بات نہیں، نظر میں آنے والی بات ہے، آنکھ اسے دیکھتی ہے! البتہ میں سوچتا تھا کہ پادریوں نے یہ بات خدا کے لئے کہی ہے مگر حث کد خدا (گھر کے خدا یا صاحب خانہ) کی ہے، آسمان کے خدا کی نہیں، زمین کے خدا کی ہے۔ بات حاکم طبقے کی ہے، ایک نظام، ایک حاکمیت اور ایک مسلط طاقت کی ہے جو کبھی سیاست میں بصورت زور تجلی کرتی ہے (استبداد) کبھی اقتصاد میں بصورت زر جلوہ افروز ہوتی ہے (استثمار) اور کبھی مذہب میں بصورت تزویر سامنے آتی ہے (قدیم استحمار) (اور آج مذہب کے بجائے آرٹ، سائنس، آئیڈیالوجی یا فلسفہ = جدید استحمار) اور قرآن میں یہ تینوں مظاہر: فرعون، قارون اور بلعم، ایک "واقعیت" کے تین چہرے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک "قطب" (محور) یا ایک "شخص": قابیل! تین بھی ہے اور ایک بھی۔

۱۶۱- ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

۱۶۲- آدم سے آخر الزماں تک تاریخی جبر کا فلسفہ اسلام کے خاصّے کو بیان کرتا ہے، آخر الزماں، وہ وقت ہے کہ جب تاریخ، تضاد اور تنازع کے جبر سے آزاد ہو گی اور قابیلی نظام، موت کی نیند سو جائے گا، اور مساوات اور ایمان، ظلم، مفاد پرستی اور حق تلفی کی جگہ لیں گے۔

۱۶۳- اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ جب آپ کنکر جمع کرنا چاہیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ کنکر ظریف، خوش تراش اور پستہ اور بادام کے درمیانی حجم والا ہو، یہ بھی کہا جاتا تو بہتر تھا کہ کنکر نقش دار، رنگین ذرات سے بنا ہوا کئی رنگ والا ہو! بے چارے حاجی حضرات اس سیاہ وادی میں جہاں لاکھوں افراد، گاڑیاں، اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ، رات کی تاریکی میں غلاظت بھری راہوں میں رینگ رہے ہیں اور کوئی اپنے کاروان کو تلاش نہیں کر سکتا، جان لڑا رہے ہیں کہ زرین ذرات والے رنگ برنگے، پستے بادامی حجم کے ظریف کنکروں کو ڈھونڈیں! کیوں نہ ہو بات جو عشق و عاشقی کی ہے!

۱۶۴- ہر سال شیطان کے اس مجسمہ کا منہ اہل سعود کی طرف سے سفید کر دیا جاتا ہے! مجھے نہیں معلوم کیوں۔ اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ایسا، حکومت کے حکم سے ہوتا ہے یا علماء کے حکم سے، اوقاف کے بجٹ سے ہوتا ہے یا ان متدین مالدار لوگوں کے پیسے سے جو دینی خدمات اور بھلائی کے کاموں میں پیش پیش ہیں۔ بہر حال کوئی فرق نہیں پڑتا، ان سب لوگوں نے شیطان کا چہرہ روشن کر دیا ہے اور ہر سال روشن تر کر رہے ہیں!

۱۶۵- جمرات ثلاثہ، وہی منٰی میں تعمیر کی گئی شیطان کی یادگاریں ہیں کہ جن میں سے ہر ایک کو "جمرہ" کہا جاتا ہے: جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ اور جمرہ عقبیٰ یا عَقَبَہ (اس لئے کہ یہ عَقَبَہ کے قریب ہے۔ جس کے معنی لغت میں پہاڑ کی پشت ہے اور یہاں سے اسم خاص بن گیا ہے، اس لئے کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ہجرت سے پہلے اس مقام پر مدینہ سے حج کے لئے آنے والے اوس اور خزرج

کے نمائندوں سے رات کو' قریش کی نظروں سے پنہاں' پیمان باندھا تھا کہ جو پیمان عقبہ کے نام سے مشہور ہے) اور جمرہ سنگریزوں کو کہا جاتا ہے-

۱۶۶- "کتوّں اور بھیڑیوں کی آواز" کے عنوان سے ایک غیر ملکی شاعر کے اشعار سے ماخوذ کہ جسے آقای "اخوان امید" نے انتہائی خوبصورت اور زوردار انداز میں ترجمہ کیا ہے اور اب اس ناچیز نے بھی اسے شعری زبان میں ترجمہ کے عمل سے گزارا ہے :

-- "کتوّں کی محفل میں ایک کتاّ کہتا ہے :

وہاں مالک کے مطبخ کے کنارے'

نرم لکڑی کے ریزوں پر بسیرا'

ہے کتنا پر سکوں' پر لطف اور پھر :

"عزیزم" بولنا اور "جان" سننا'

-- دوسرا کہتا ہے :

بچا کھانا خوراک جاں بنانا'

-- تیسرا کہتا ہے :

اگر یہ بھی نہ ہو' ہڈی تو ہے ہی'

-- پہلا پھر کہتا ہے :

---سہانا جگ ہے اور آرام کیسا'

---عزیز و مہرباں مالک ہے کیسا!

-- کوئی اور کتاّ خاطر میں لاتا ہے کہ :

"مگر کوڑے--- بلائے جاں ہیں توبہ !"

(دوسرا کتا تسلی دیتا ہے):
--- صحیح..... پر جھیلنا اس کو تو ہوگا'
اگرچہ سخت کچھ یہ مرحلہ ہے'
مگر مالک کے دل میں رحم بھی ہے'
فروکش جب کہ ہو غصہ تو پھر وہ
اِبا کرتا نہیں اس بات سے کہ
رکھیں پاپوش و پا پر سر ہم اسکے'
پھر اس کے بعد اس جا بیٹھ کر وہ
گِنے زخموں کو' اور اس پریت کو ہم
بہت حد تک غنیمت جانتے ہیں......"

۱۶۷- نڈر' بیباک اور دلیر شاعر ابو العلاء مصری کی تعبیر کہ جس کا ایمان اتنا ہی قوی ہے جتنا مومنین کا مخالف سمجھا جاتا ہے' ہر چند کہ اسے ملحد دکھایا گیا ہے!

وعلی الافق من دماء الشهيدين علی ونجله شاهدان
وهما فی اواخراليل فجران وفی اولياته شفقان
ثبتا فی قميصه ليجيئی الحشر مستعد يا الی الرحمٰن

چہرہ افق پر علیؑ اور اس کے نور نظر کی لہو کے دو گواہ ہیں۔

یہ دونوں' اواخر شب میں نور کے دو تڑکے (شب کی دو سفیدی) ہیں اور اوائل شب میں شفق کی دو سرخی' ان دونوں گواہوں کو افق نے اپنے پیراہن پر نقش کیا ہوا ہے تاکہ محشر کے دن وہ انہیں انتقام جوئی اور نصرت طلبی میں خدا کے حضور پیش کرے!

☆☆☆☆☆

بسمہ تعالیٰ

علی شریعتی کو سمجھئے

ڈاکٹر علی شریعتی آیت اللہ طالقانی کی نظر میں

۱۹۷۹ء عیسوی میں ڈاکٹر علی شریعتی کی دوسری برسی کے موقع پر جناب آیت اللہ طالقانی کی صدارت میں ایک شاندار جلسے کا انعقاد تہران یونیورسٹی میں ہوا۔ اس جلسے میں کہ جس میں علی شریعتی کے بچے اس کی بیوی، حفظان صحت اور رفاہ عامہ کے وزراء، تعلیم اور اعلیٰ تعلیمی بورڈ کے ارکان، علماء، لاکھوں طلبا، اساتذہ، ایئر فورس اور دیگر فورسز کے اسٹاف اور ہر طبقے کے افراد شامل تھے، آیت اللہ طالقانی نے اپنے دوران تقریر میں کہا :

"سماج میں تبدیلی اور بیداری کا عمل خود انسان سے شروع ہوتا ہے، انسان خود اس کی نیو ہے اور یہ ایک بالکل صاف اور کھلی بات ہے۔ سوا ان لوگوں کے جو اپنی آنکھیں میچ لیں اور ذہن کو استعمال نہ کریں باقی ہر کوئی جانتا ہے کہ سارے مسائل کا سرچشمہ خود انسان ہے۔ سارے انبیاء اور ساری دنیا کے انقلابات کا فلسفہ خود انسان ہے۔ انبیاء آگاہی دینے والی ہستیاں ہیں نبی یعنی ایک آگاہ شخص کہ جو خود بھی آگاہ ہے اور دوسروں کو بھی آگاہی سے ہمکنار کرتا ہے۔ انبیاء انسان کی تعمیر سے اپنا کام شروع کرتے ہیں"۔

حضرت آیت اللہ طالقانی آگے چل کر فرماتے ہیں :

"ایک ایسی قوم میں جو برسوں اور صدیوں یکساں نوعیت کے ایک نظام کے زیر تسلط رہی اور جس نے اپنے اخلاق، اپنی روش اور اپنی فکر کو اسی دھارے پر دیکھا اور چند سال پہلے

تک معدودے چند افراد کے علاوہ لوگوں کی اکثریت نے اس نظام کو ایک حقیقی نظام سمجھا بلکہ بعض اوقات اسے خدا سے نسبت دی جس کے نتیجے میں تحریک کا رخ ہمیشہ حکومت کی حمایت میں رہا، وہاں کچھ ایسی شخصیتیں ابھریں جو اسلام کو کہ جو دین الٰہی ہے اور ان ہی لوگوں، اسی قوم اور مشرق وسطیٰ کی قوموں کا دین ہے، اسلام کو اسی طرح پیش کیا جیسا کہ وہ تھا تاکہ لوگ الٹی سیدھی راہوں اور گمراہیوں کے درمیان اصلی اور سیدھی راہ کو پائیں۔ علی شریعتی مرحوم خود اس کا ایک نمونہ تھا، شخصیت کے نقطہ نظر سے بھی اور بولنے، لکھنے اور سوچنے کی جہت سے بھی۔ وہ بھی اس منحوس حکومت کے زیر تسلط تھا، اس کا امتیاز یہ تھا کہ اس نے پہلے اپنے آپ میں تبدیلی پیدا کی اور پھر ہر مسئلہ میں شک کی منزل سے گزرا اور سارے مسائل میں تردید سے کام لیا وہ سماجی نظام ہو کہ وہ مکاتیب جو ہمارے ملک میں وارد ہو رہی تھیں اور جن کے پیچھے بہت سے حمایتی اور نشریاتی ادارے تھے، وہ دینی عقائد ہوں کہ دینی نظام کی کیفیت، ہر چیز میں شک اس کا پہلا قدم تھا"۔

شک تبدیلی کا پہلا مرحلہ :

"شک تبدیلی کا پہلا مرحلہ ہے جو انسان شک نہیں کرتا یقین تک نہیں پہنچتا۔ ایک شخص امام صادق علیہ السلام کے حضور آیا اور کہا یا ابن رسول اللہ میں ہلاک ہو گیا، فرمایا کیوں ہلاک ہو گئے۔ اب اگر ایسا آدمی ہمارے پاس آتا تو ہم فوراً کہہ دیتے کہ اس کے ہاتھ کا کھانا اور پینا نجس ہے اور ہم اسے گھر سے باہر نکال دیتے۔ کہا یا ابن رسول اللہ میں نے اللہ کے وجود میں شک کیا۔ مگر امام علیہ السلام بجائے اس کے کہ اس کی تکفیر کریں فرمایا نہیں، کس نے کہہ دیا تم ہلاک ہوئے، یہ تمہاری یقین کی پہلی حرکت ہے۔ وہ دین اور وہ خدا جو تمہاری سوچ میں تھا ایک تخیلی خدا تھا جس کو تمہارے ذہن نے بنایا تھا۔ وہ ایک بت تھا جس کو تم نے خدا کا نام دیا تھا، وہ تمہاری فکر کی پیداوار تھا، تمہاری ذہنیات کے اثر نے اسے بنایا تھا۔ یہ خدائے مطلق، خدائے زمین و آسمان، خدائے حکیم اور قادر مطلق و ارادہ مطلق نہیں تھا۔ وہ لوگ جو باری تعالیٰ

کے بارے میں شک کر کے دینی تردد کا شکار ہوتے ہیں اور دیگر مکاتیب کی طرف جاتے ہیں وہ اس خدا کو ترک کرتے ہیں جو ان کے ذہن کا محصول و معلول ہے نہ کہ مافوق ذہن۔

شریعتی نے زور، غلبے اور دباؤ کے زمانے میں اسی وقت سے جب زندہ اسلام کہنا حکومت کی نظر میں بہت بڑا جرم تھا نوجوانوں کو اکھٹا کرنا اور ان میں تبدیلی لانا شروع کیا اور ان لوگوں سے اس رعب اور اس جذبے کو ختم کیا جو وہ دیگر مکاتیب کے بارے میں رکھتے تھے تاکہ وہ اہل تحقیق بنیں اور سوچ سے کام لیں، اور آپ کے مشاہدے میں ہے کہ اس نے نوجوانوں میں کیسی تبدیلی پیدا کی، اور عمر کے آخری حصے تک کہتا رہا میں غلطیوں سے مبرا نہیں ہوں۔ بارہا جب ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے تو مجھ سے کہتا تھا: اگر میں کہیں غلطی کرتا ہوں تو آپ مجھے بتایئے، بحث کیجئے تاکہ یہ غلطی مجھ سے دور ہو جائے۔ یہ اس کی خصوصیتوں میں، ایک خصوصیت تھی۔ یہ انسان کی ترجیحات میں سے ایک ترجیح ہے کہ ہمیشہ اسے اس بات کا گمان رہے کہ کہیں اس سے کوئی غلطی تو نہیں ہو رہی ہے اور وہ اس غلطی کو دور کرنے کے درپے ہو۔

آیت اللہ طالقانی نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ انسان کے کمال تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ وہ سب باتوں کو سنے اور ان میں سے اچھی باتوں پر عمل کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم سب میں یہ عیب ہے کہ ہم یا کسی بات کو سننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور جب کسی مکتب کو اپناتے ہیں تو اس بات کیلئے تیار نہیں ہوتے کہ اس کو تجزیہ و تحلیل کی منزل پر لائیں اور اس میں موجود اچھی باتوں کی پیروی کریں یا اس بات کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اچھی باتوں کے درپے ہوں۔ اسی سماجی صورتحال میں، ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ تنقید کا بازار گرم ہے مگر باتوں کو سننا اور ان میں اچھی باتوں کا اخذ کرنا بہت کم عمل میں آتا ہے۔ یعنی ہم منفی پہلو کو لیتے ہیں۔ اگر ہم کسی شخص کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو اس شخص کے کمزور پہلو اور اس کے سیاہ نقطے کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ علی شریعتی کہتا تھا مجھ سے بات کرو اور مجھے میری غلطی بتاؤ۔ یہ وہ طریقہ یا مکتب ہے جو پوری قوم میں تبدیلی لا سکتا ہے اور جیسا کہ آپ نے دیکھا

کہ ان گروہ در گروہ نوجوانوں میں کہ جنہیں قوم کو مسخ کرنے کے لئے تیار کیا گیا تھا تاکہ وہ استعمار و استبداد و مصرف کیلئے بلاارادہ آلہ کار اور صرف دو پیروں والے غریزی یا جبلی حیوان بنیں، کس طرح تبدیلی آئی، اور ایسا کیونکر ہوا؟"

اس کے بعد آیت اللہ طالقانی فرماتے ہیں۔ "یہ سب بنیادی تبدیلی کا نتیجہ تھا اور یہ ڈاکٹر علی شریعتی کے مکتب کی اصل بات تھی۔ خدا ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے کہ انہوں نے اس ذمہ داری کو بہت اچھی طرح انجام دیا"۔

(مجلّہ سروش۔ ۱۲واں شمارہ صفحہ ۷۳۔ شہریور ماہ ۱۳۵۸ شمسی)۔

ہماری ان کتابوں کی فہرست جو ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔

نام کتاب	مصنف
۱- شیخ المضیرہ	علامہ محمود ابو دیہ (مصری)
۲- امام خمینی کی نظر میں عورت کی شخصیت	
۳- اسم مستاثر	آیت اللہ محمدی گیلانی
۴- پیغمبر اُمیؐ	جعفر سبحانی
۵- اسلام اور وقت کے تقاضے	مرتضیٰ مطہری
۶- عورت پردے کی آغوش میں	مرتضیٰ مطہری
۷- سماج اور تاریخ	مرتضیٰ مطہری
۸- توحیدی جہان بینی	مرتضیٰ مطہری

علی شریعتی کی مطبوعہ کتابیں

۹- علی امین وحدت
۱۰- اسلام میں عدل اور امامت کی انقلابی آفرینی
۱۱- علی ایک دیومالائی سچ
۱۲- سورہ روم میں ایک نیا دریچۂ فکر
۱۳- حج
۱۴- دعا
۱۵- امام سجادؑ کی درسگاہ دعا میں آگہی، عشق، حاجت اور جہاد
۱۶- توتم پرستی
۱۷- شہر شہادت خدا حافظ
۱۸- ذکر اور ذاکرین
۱۹- ثار
۲۰- علی شریعتی کی زندگی کے حالات اور اس کے آثار کا جائزہ
۲۱- شہسوار عرب کی تیغ "لا"
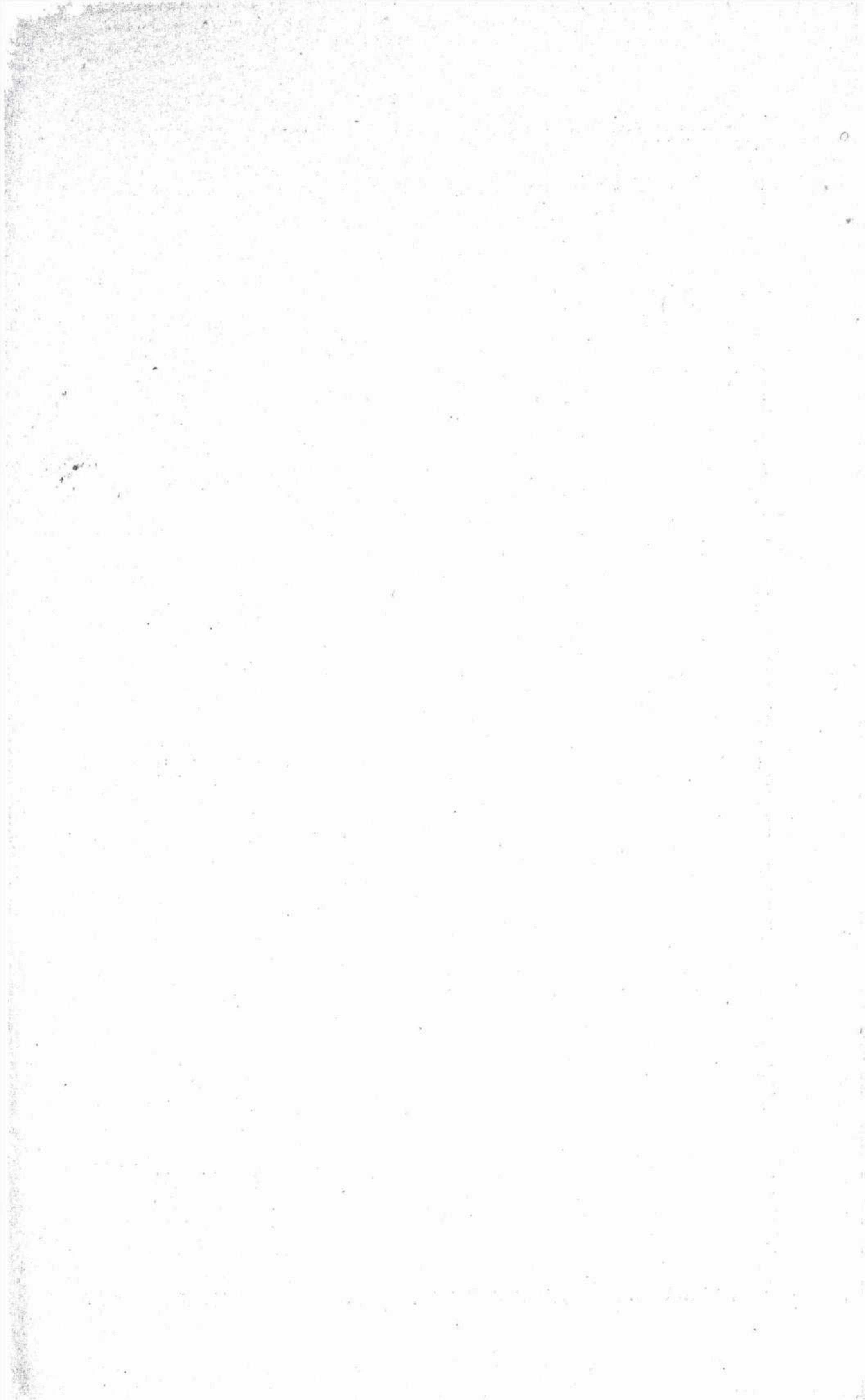
شہید:

تاریخ کا دل ہے۔ جس طرح دل بدن کے خشک رگوں کو خون حیات اور زندگی دیتا ہے اسی طرح شہید بھی قوم کے خشک اور بے جان بدن میں اپنا لہو پہنچاتا ہے۔ اور شہادت کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ ایک نسل کو اپنی ذات کی نسبت نیا ایمان بخشتا ہے۔

(علی شریعتی شہید)